عبادت و نماز

بتالیف استاد شہید مرتضیٰ مطہریؒ

ترجمہ: سید سعید حیدر زیدی

عرض ناشر

مذکورہ بالا آیت کے علاوہ بھی قرآن مجید میں اور متعدد آیات موجود ہیں، جو ماہ رمضان اور شب قدر میں نزول قرآن پر دلالت کرتی ہیں جیسے سورہ قدر کی پہلی آیت اور سورہ دخان کی تیسری آیت۔

''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ''

''بے شک ہم نے اسے (یعنی قرآن مجید کو) شب قدر میں نازل کیا۔'' (سورہ قدر ۹۷۔ آیت ۱)

''اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِیْنَ''

''ہم نے اس (قرآن) کو ایک مبارک رات میں نازل کیا، ہم بے شک عذاب سے ڈرانے والے تھے'' (سورہ دخان ۴۴ آیت ۳) ان آیات قرآنی سے بخوبی یہ بات روشن کہ قرآن مجید، پیغمبر اسلامؐ پر ماہ مبارک رمضان میں نازل ہوا البتہ اس مہینے میں آنحضرتؐ پر نزول قرآن کی کیفیت کیا تھی؟ اس بارے میں ایک علیحدہ گفتگو کی ضرورت ، جس کا یہاں موقع نہیں۔ زیر نظر رسالہ عبادات اور نماز کے موضوع پر استاد شہید مرتضیٰ مطہری کی چار تقاریر کا مجموعہ۔ یہ تقاریر رمضان المبارک ۱۳۹۰ ھ میں یہ ارشاد تہران میں کی ۔ ان تقاریر میں شہید مطہری نے اسلام میں عبادات و معنویات کی اہمیت پر روشنی ڈالی ، راہ ایمان اور عبادات کے تربیتی اثرات پر گفتگو کی اور ان میں ڈوب کے رہ جانے، یا انہیں یکسر نظر انداز کردینے کی نفی کرتے ہوئے اسلام کے ایک جامع اور دنیا و آخرت دونوں کی کامیابی اور فلاح کے طالب دین ہونے کی وکالت کی ۔ تقریر اور تحریر، اپنے خیالات دوسروں تک پہنچانے کے دو ذرائع ہیں ان میں سے ہر ایک کا اپنا علیحدہ انداز اور مخصوص اسلوب ہوتا ، مقرر اپنی حرکات و سکنات اور چشم و ابرو کی جنبش کے ذریعے بھی پیغام دیتا ، جبکہ تحریر اس سہولت سے محروم ہوتی ۔ لہٰذا کسی تقریر کو اسکی پوری تاثیر کے ساتھ قلمبند کرنا ممکن نہیں۔ زیر نظر تقاریر کا ترجمہ کرتے ہوئے کوشش کی گئی کہ انکا تقریری انداز بھی محفوظ ر اور ان میں کی جانے والی گفتگو بھی تحریر کی صورت میں پوری پوری پہنچ جائے۔ ہم اس کوشش میں کس حد تک کامیاب ر اس سے میں قارئین مطلع کریں گے۔

امید ہماری دوسری مطبوعات کی طرح یہ کتاب بھی قارئین میں مقبول ہوگی۔

احیا

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد مانگو۔ (سورہ بقرہ ۲ آیت ۱۵۳)

ہم اپنی بحث کا آغاز اسی کلمے ''احیا'' سے کرتے ہیں جیسا کہ ہم نے عرض کیا ''احیا'' یعنی زندہ کرنا، اسکی ضد ''اماتہ'' ہے، یعنی مارنا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رات، جو انسان کے وقت کا ایک حصہ ہے، اسکی دو حالتیں ہیں، ممکن ہے کسی کی شب زندہ ہو، اور ممکن ہے اسکی شب مردہ ہو۔ زندہ شب، وہ شب ہے جس میں انسان پوری رات، یا کم از کم اس رات کے ایک حصے کو ذکرِ الٰہی، مناجات اور اطاعتِ پروردگار سے راز و نیاز میں بسر کرے اور مردہ شب، وہ شب ہے جس میں انسان تمام رات پروردگار کی مقدس ذات سے غفلت اور فراموشی کی حالت میں رہے۔

ممکن ہے کوئی یہ خیال کرے کہ یہ تعبیر ایک مجازی تعبیر ہے ایک قسم کا تکلف ہے۔ کوئی رات زندہ اور مردہ نہیں ہوتی، رات آخر رات ہے، وقت ہے وقت کا وہ حصہ ہے جس میں کرہ زمین کا وہ نصف حصہ جس پر ہم زندگی بسر کرتے ہیں سورج کے سامنے نہیں ہوتا اور اس پر سورج کی روشنی نہیں پڑتی، اسے رات کہا جاتا ہے۔ رات بہر صورت رات ہے، رات کی نہ زندگی ہوتی ہے اور نہ اسکی موت۔

یہ بات صحیح ہے لیکن وہ شخص جو کہتا ہے کہ احیا، رات میں جاگتے رہنا، اسکی مراد یہ نہیں ہے کہ آپ وقت کے اس حصے کو جگا کے رکھیے، بلکہ جاگے رہنے سے مراد وقت کے اس حصے میں خود آپ کا جاگے ہونا ہے۔

اور زیادہ دقیق عبارت میں، جیسا کہ ابتداً تصور ہوتا ہے اسکے برخلاف، ہم خیال کرتے ہیں کہ وقت ایک چیز ہے جس کے اندر ہم سب داخل ہیں، جبکہ ایسا نہیں ہے وہ وقت جس کے بارے میں یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ہم سب اسکے اندر داخل ہیں، وہ ہمارا وقت نہیں ہے وہ وقت جس کی بنیاد پر ہم حساب لگاتے ہیں، گھنٹوں، منٹوں، ہفتوں، مہینوں اور سالوں کا حساب کرتے ہیں، وہ ہمارا وقت نہیں ہے، وہ اس زمین کا وقت ہے ہمارا وقت ہمارے اپنے وجود سے متحد ایک حقیقت ہے، ہمارے وجود کا حصہ ہے

ماراوقت، مارے وجود کاوقت، خود ہم سے علیحدہ اور ہدا نہیں دراصل وہ ہےایہ کہ ہم اس وقت کا حساب، جس کی ایک مقدار ہوتی ، زمین کے وقت سے کرتے ہیں، اس کے مطابق کرتے ہیں، اسکے بعد یہ تصور کرتے ہیں کہ وقت ایک چیز اور ہم سب اسکے اندر ہیں۔ نہیں میراوقت ایک چیز اور آپ کاوقت ایک دوسری چیز یعنی وہ خود آپ سے مخصوص اسی طرح جیسے آپ کا قد مثلاً ایک سو ساٹھ سینٹی میٹر ، یہ کمیت اور مقدار آپ کی چیز ، اور میرا قد جوایک سو ستّر سینٹی میٹر ، وہ مجھ سے مخصوص ۔ آپ کا ایک قد اور سائز ، اورمیرا بھی اپنا ایک مخصوص قد اور سائز (اب یہ ایک دوسرے کے برابر ہوں،یا نہ ہوں، ایک علیحدہ بات) آپ کا وجود یونکہ ایک متحرک، سیال اور متغیر وجود ، اس لیے خود آپ کے اپنے اندرایک وقت اور میں بھی اپنے اندر ایک وقت رکھتا ہوں۔ پھول بھی اپنے اندر ایک وقت رکھتا ، وہ درخت بھی اپنے اندر ایک وقت رکھتا ، یہ پتھر بھی اپنے اندر ایک وقت رکھتا اورہر چیز کےلئے پایا جانے والا وقت، عین اس چیز کا وجودہوتا ۔

اب جبکہ ہم نے اس نکتے کو سمجھ یا ، شبِ قدر میں احیا کے معنیٰ بھی ماری سمجھ میں آگئے ہیں۔ وقت کو زندہ رکھیں، یعنی ہم خود اپنے وقت کو زندہ رکھیں، ہم میں سے ہر ایک اپنے اندر موجود وقت کو زندہ رکھے۔

وہ وقت جو مارے اندر موجود ، وہ یا ؟

وہ خود ہم ہیں، ہم سے ہدا کوئی چیز نہیں پس ہم خود اپنے وقت کو خود اپنی شب کو زندہ رکھیں یعنی ہم خود ایک رات واقعاً زندہ رہیں، واقعاً زندہ بسر کریں، نہ کہ مردہ بسر کریں۔

اخبار و احادیث میں آیا کہ قیامت کے دن انسان پر گزرنے والی چیزوں کو، اُس پر گزرنے والے زمانے کو انسان کے سامنے پیش یا جائے ، اوروہاں مختلف انسان نظر آئیں گے کبھی انسان کوایک ایساموجود دکھائی دے جس کا کچھ سیاہ اور تاریک اور کچھ سفید اور چمکداراس سے مختلف ایک انسان اپنے آپ کو دیکھے کہ اُس کازیادہ تر سیاہ ، جبکہ ایک اور انسان دیکھے کہ اُس کابیشتر سفید اور براق ۔ ممکن کوئی انسان ایسا بھی ہو جسے اپنے اندر صرف چند ہی سیاہ نقطے دکھائی دیں، پورا

کا پورا سفید نظر آئے، جبکہ ایک دوسرا اسکے برعکس ہو اور وہ اپنے اندر صرف چند ہی سفید نقطے دیکھے، بقیہ پورا کا پورا ا سے سیاہ نظر آئے۔

وہ تعجب کرے }اور پوچھے {کہ یہ یا چیز اسکے سامنے پیش کی گئی ؟ کہیں گے کہ: یہ تمہارا وقت ، یہ تمہاری ر ۔ وہ لمحات ن میں تم نے اس وقت کو، اس ر کو روشن اور نورانی رکھا تھا، ان لمحات میں جب تم محو پرواز تھے، بے اور ولولے کے ساتھ تھے، ثق کے راہ تھے، تمہارا دل اپنے ا کی یاد سے زندہ تھا، وہ لمہ، وہ نورانی اور چمکدار لمہ وہ لمہ جب تم نے کسی کی رمت کی تھی، کوئی مفید کام انجام دیا تھا، وہ تمہارا نورانی لمہ یکن وہ لمہ جس لمے میں تم افل ر تھے، شہوات میں رق ر تھے، تم نے ا کی رضا کے برخلاف قدم اٹھایا تھا، وہ تمہاری ر کے سیاہ یک اوقات ہیں۔ تمہارا وقت ، تمہاری ر ۔

روح عبادت یاد خدا

یاد ا، روحِ عبادت عبادت کی روح یہ کہ جب انسان عبادت کر رہا ہو، کوئی نماز پڑھ رہا ہو، کوئی د ا کر رہا ہو اغرض کوئی بھی مل انجام دے رہا ہو، تو اس کا دل اپنے ا کی یاد میں زندہ ہو: وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ [1] قرآن کہتا نماز قائم کرو کس لیے؟ اس لیے کہ میری یاد میں رہو ایک دوسری جگہ قرآنِ کریم رفرماتا : اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ[2] اس آیت میں نماز کی خاصیت کا ذکر یا یا ۔ البتہ وہ نماز جو قیقی ہو، جو واقعی نماز ہو، ایسی نماز ہو جو صحیح شرائ اور آداب کے ساتھ ادا کی گئی ہو فرماتا : اگر انسان قیقتاً نماز پڑھنے والا ہو اور صحیح نماز پڑھے، تو خود نماز انسان کو ناشائستہ کاموں اور منکرات سے روکتی محال کہ انسان درست اور مقبول نماز پڑھے اور جھوٹا ہو محال کہ انسان صحیح اور درست نماز پڑھے اور اس کا دل غیبت کرنے کو چا ۔ محال کہ انسان درست اور صحیح نماز پڑھنے والا ہو اور اس

۱:- اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ (سورہ طٰہ ۲۰ آیت ۱۴)

۲:- نماز ہر برائی اور بدکاری سے روکنے والی ، اور اللہ کا ذکر بہت بڑی شے ۔ (سورہ عنکبوت ۲۹ آیت ۴۵)

کی شرانت اسے شراب خوری کی طرف جانے کی اجازت دے، وہ بے حیائی کی طرف جائے، کسیَ بھی دوسرے ناپ‌یا کام کی طرف قدم اٹھائے نماز کی خاصیت یہ کہ وہ انسان کو ہم نورانیت کی طرف لے جاتی ۔امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک روایت ، جو معروف کتاب ''مصباح الشریعہ'' میں نقل ہوئی مارے پاس ''مصباح الشریعہ'' نامی ایک کتاب ، جسے بہت سے بزرگ علما معتبر سمجھتے ہیں، جبکہ بعض علما، جیسے مرحوم (علامہ) مجلسی، اس کتاب کو خاص معتبر نہیں سمجھتے، اس اعتبار سے کہ اسکے مضامین کچھ عرفانی مضامین پر مشتمل ہیں۔ البتہ یہ ایک معروف کتاب حاجی نوری، سید بن طاؤوس اور ان جیسے دوسرے حضرات اس کتاب سے نقل کرتے ہیں اس کتاب میں بکثرت احادیث ہیں۔ فضیل بن عیاض نام کا ایک شخص ، امام جعفر صادق علیہ السلام کا معاصر ، اس کا شمار معروف لوگوں میں ہوتا ، ایسا شخص جس نے اپنی عمر کا ایک حصہ، فسق و فجور، چوری، ڈاکے اور اسی قسم کے دوسرے مشاغل میں بسر کیا بعد میں اس میں ایک عجیب روحانی انقلاب پیدا ہوتا اور وہ اپنی بقیہ عمر (اپنی آدھی عمر) تقوی، زہد، عبادت اور معرفت و حقیقت کی تلاش میں بسر کرتا ۔ اسکی داستان معروف وہ ایک مشہور چور تھا، نقب زن، وہ خود اپنی داستان کچھ یوں بیان کرتا کہتا : ایک رات میں نے ایک گھر کو نظر میں رکھا ہوا تھا، کہ آج رات اس گھر میں چوری کروں اس گھر کی دیوار بلند تھی آدھی رات گزر چکی تھی۔ میں دیوار کے اوپر چڑھا، جب میں دیوار کے اوپر پہنچا اور چاہا کہ نیچے اتروں، تو ہمسائے کے کسی گھر میں (یا اسی گھر کے اوپر) ایک عابد، زاہد اور متقی شخص، ایسے لوگوں میں سے ایک شخص جو اپنی راتوں کو بیداری کے عالم میں بسر کرتے ہیں، قرآن پڑھنے میں مشغول تھا، بہت اچھے انداز اور انتہائی خوبصورت لحن کے ساتھ[۳]

۳:-آپ جانتے ہیں کہ قرآن کو تجوید کے ساتھ پڑھنا(تجوید یعنی خوبصورتانداز) یعنی حروف کی صحیح ادائیگی کے ساتھ پڑھنا، اچھے انداز میں پڑھنا، ایسا انداز جو الحنِ اہلِ فسق نہ ہو، ایک ایسے انداز سے پڑھنا جو قرآن سے تناسب رکھتا ہو قرآنی سنتوں میں سے اور مارے ائمہ اطہار علیہم السلام خود اس میدان میں دوسروں سے آگے تھے ماری روایات میں کہ امام محمد باقرعلیہ السلام اور امام سجادعلیہ السلام، انتہائی خوبصورت آواز میں قرآن پڑھا کرتے تھےجب گھر کے اندر سے آپ کے قرآن پڑھنے کی آواز بلند ہوتی، تویہ آواز سن کر گلی سے گزرنے والوں کے قدم وہیں جم کے رہ جاتے (اس زمانے میں مدینہ میں سقے گھروں میں پانی پہنچایا کرتے تھے) کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سقے پانی کی مشکیں اٹھائے ہوئے باوجود یہ کہ انہیں زحمت کے ساتھ اٹھائے ہوتے تھے، جب وہاں پہنچتے تو یہ بھاری بوجھ اٹھائے ہوئے کے ۔ باوجود قرآن کی یہ دلنشیں تلاوت سننے کے لیے کھڑے ہو جاتےوہ عابد شخص اس قرآنی سنت کے ساتھ مطابق آدھی رات کے وقت قرآن کی تلاوت میں مشغول تھا اور اپنے کمرے میں خوش الحانی کے ساتھ قرآنِ مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔

جب میں دیوار کے اوپر پہنچا تو اتفاقاً قرآن کا وہ قاری اور ابر شخص اس آیت پر تھا: اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُھُمْ لِذِکْرِ اللہِ وَ مَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ[4] ظاہر فضیل رب تھا، معنی سمجھتا تھا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ : یا وہ وقت نہیں آیا جب با ایمان لوگوں کے دل، ایمان کا دعوی کرنے والوں کے دل، خدا کی یاد قبول کرنے کے لے نرم ہوجائیں؟ کب تک قساوتِ قلبی ر گی؟ کب تک غفلت و بے خبری ر گی؟ کب تک نیند کی حالت طاری ر گی؟ کب تک حرام خوری میں مبتلا رہیں گے؟ کب تک دروغ گوئی اور غیبت کریں گے؟ کب تک شراب خوری اور قمار بازی کے مرتکب رہیں گے؟ کب تک نافرمانی میں مصروف رہیں گے؟

یہ خدا کی آواز ، اسکے مخاطب بھی ہم تمام لوگ ہیں خدا ہم سے بات کر رہا اے میرے بندے، اے مسلمان! وہ وقت کب آئے جب یادِ خدا کے لے تیرا دل نرم ہو جائے، جب تو خدا کی یاد کے لے خاضع اور خاشع ہو جائے؟

اس ابر شخص نے اس انداز سے اس آیت کو پڑھا کہ فضیل، جو دیوار پر چڑھا ہوا تھا، اُسے یوں محسوس ہوا کہ خود خدا اپنے بندے فضیل سے مخاطب وہ کہتا : اے فضیل! تو کب تک چوری اور ڈاکا زنی اور لوٹ مار کرے ؟

یہ آیت سُن کر فضیل لرز کر رہ یا اور یکلخت پکار اٹھا: خدایا! بس اب وہ وقت آنَ پہنچا پھر وہ اسی وقت دیوار سے اُتر آیا اور توبہ کی، سچی توبہ، ایسی توبہ جس نے اس شخص کو اوّل درجے کا عابد بنا ڈالا اس تک کہ تمام لوگ اُس کا احترام کرنے لگے۔

وہ ایسا شخص نہ تھا جو ہارون الرشید کے دربار میں حاضری دے ہارون الرشید کو فضیل بن عیاض سے ملاقات کی بڑی آرزو تھی، لیکن کہتے ہیں کہ فضیل کبھی ہارون کے دربار میں نہیں آتے تھے۔ ہارون کہتا کہ اگر فضیل نہیں آتے، تو میں چلا جاتا ہوں ایک مرتبہ وہ فضیل کے پاس یا وہ ہارون ، ایک مقتدر خلیفہ ، دنیا میں بہت کم بادشاہ ایسے گزرے ہیں

۴۔ یا صاحبانِ ایمان کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل ذکرِ خدا اور اُس کی طرف سے نازل ہونے والے حق کے لے نرم ہوجائیں۔ (سورہ حدید ۵۷ آیت ۱۶)

بن کی مملکت کی وسعت اس کی مملکت کے برابر ہو، وہ دنیا کے مقتدر ترین سلا ین میں سے ایک ایک فاسق اور فاجر شخص ایک ایسا شخص جو رات رات بھر شراب نوشی، رقص و سرود اور اسی قسم کی باتوں میں مشغول ارہکر۔ تا وہ فضیل کے ۔ پاس آ۔ تا ۔ وہی فضیل اپنی گفتگو کے چند جملوں سے (اسے منقلب کر دیتے ہیں) وہاں موجود تمام لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ فضیل کے سامنے ہارون انتہائی چھوٹا دکھائی دے رہا تھا، اور اسکی آنکھوں سے آنسو برسات کی طرح جاری تھے۔ فضیل اسے وعظ و نصیحت کر رہے تھے، اسکے

سامنے اسکے ایک ایک ۔اہ کو ۔ نوا ر تھے۔ فضیل بن عیاض اس قسم کے شخص تھےوہ اس حالت میں، جو انہوں نے اس دور میں پیدا کی، تقوی اور معرفت کے اس درجے پر پہنچ گئے، امام جعفر صادق علیہ السلام کے معاصر تھے اور انہوں نے ہارون یعنی امام موسی ابن جعفر (الکاظم) کا زمانہ بھی دیکھا تھا۔

کتاب ''مصباح الشریعہ'' ایک ایسی کتاب کہ ان کا دعوی کہ میں امام جعفرصادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوااور امام سے چند مسائل کے ۔ بارے میں سوال یا اور امام نے مجھے یوجوابات دیےظاہر بات کہ جب اس قسم کا عارف با معرفت، متقی اور زاہد انسان امام کی خدمت میں حاضر ہو ، تو یہ کسی ایسےعام انسان کے آپ کی خدمت میں جانے سے بہت مختلف ہو جو مثلاً شکیات (نماز) کا کوئی مسئلہ آپ سے پوچھنا چاہتا ہوقدرتی طور پر اسکے سوالات، ایک درجہ بلند تر ہوں گے اور امام کے جواب بھی دوسروں کو دیے جانے والےجوابات سے ایک درجہ بلند سطح کے ہوں گےقدرتی طور پر یہ کتاب ایک بلند درجہ کتاب مثلاً امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کتاب میں اسرارِ وضو بیان کیے ہیں، اسرارِ نماز بیان کیے ہیں۔

امام جعفر صادق ؑ کی ایک حدیث

وہ جملہ جس سے ہم استدلال کر رہے ہیں، وہ اس کتاب میں ہے اور آپ نے اس جملے کو کم و بیش عرفانی کتب میں دیکھا ہوگا، امام جعفر صادق علیہ السلام نے فضیل سے فرمایا: يا فُضَيلُ اَلْعُبودِيَّةُ جَوْ هَرَةٌ كُنْهُهَاالرُّبوبِيَّةُ (انتہائی عجیب جملہ ہے، اور ایک لحاظ سے ہلا دینے والا جملہ بھی ہے) فضیل! کیا تم جانتے ہو کہ عبودیت کیا ہے؟ کیا جانتے ہو عبودیت کیسا گوہر ہے؟ عبودیت ایک ایسا گوہر ہے کہ اس کا ظاہر عبودیت ہے اور اس کا کنہ، نہایت اور باطن، اسکی آخری منزل اور ہدف ربوبیت ہے۔

ممکن ہے آپ کہیں کہ اس سے کیا مراد ہے؟ کیا امام جعفر صادق علیہ السلام یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ عبودیت کی ابتدا بندگی اور اسکی انتہا خدائی؟ کیا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایک بندہ، بندگی کے راستے خدائی تک پہنچ جاتا ہے؟ نہیں، ائمہ علیہم السلام کی تعبیروں میں کسی صورت اس قسم کی کوئی تعبیر نہیں آ سکتی۔ اہلِ عرفان دوسرے لوگوں پر طنز کرنے کے لیے، جو معانی نظر میں رکھتے ہیں، کچھ تعبیریں استعمال کرتے ہیں، تاکہ دوسرے ہل کے رہ جائیں، انہیں جھٹکا لگے، یہ ایک طرح سے لوگوں کو چھیڑنا ہوتا ہے، مثلاً مولانا روم یا شبستری کے یہاں اس قسم کی تعبیریں ملتی ہیں، شبستری کہتے ہیں:

مسلمان گر بدانستی کہ بت چیست

بدانستی کی دین در بت پرستی است

یہ انتہائی عجیب بات ہے لیکن اس سے مراد وہ نہیں ہے جو اسکے الفاظ سے ظاہر ہو رہی ہے۔ یہ شعر ایک صحیح مراد کا حامل ہے۔ ایک مقام پر اُس نے کہا ہے کہ بقول خود اُس کے اُس نے زاہد نما افراد کو چھیڑا ہے۔ ایک معروف شعر ہے جو مولانا روم سے منسوب کیا جاتا ہے، مجھے نہیں معلوم یہ مثنوی میں ہے یا نہیں۔ کہتے ہیں:

از عبادت می توان اللہ شد

می توان موسیٰ کلیم اللہ شد

انتہائی عجیب (کلام) کہتے ہیں کہ عبادت کے ذریعے موسیٰ کلیم اللہ نہیں بنا جا سکتا لیکن عبادت کے ذریعے اللہ بننا ممکن !مراد یا ؟ یہ ریث جس کے ہم آپ کے لے معنی کر ر ہیں، اسکی روشنی میں اس شعر کے معنیٰ بھی واضح ہو جائیں گے۔

دراصل ربوبیت کے معنی ہیں تسلط، سرپرستی، البتہ خدائی نہیں خدائی اور سرپرستی کے درمیان فرق سرپرستی، یعنی مالک ہونا، صاحبِ اختیار ہونا اصحاب الفیل کے قصے میں جب ابرھہ کعبہ کو مسمار کرنے کی غرض سے آیا، تو وہ وہاں ان میں موجود حضرت عبدالمطلب کے اونٹوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے یا عبدالمطلب ابرھہ کے پاس گے حضرت عبدالمطلب کے قیافے، شخصیت اور عظمت نے ابرھہ کو انتہائی متاثر کیا، یہاں تک کہ وہ سوچنے لگا کہ اگر اس مرد بزرگ نے سفارش کی اور مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں کعبہ کے خلاف اقدام نہ کروں، اور اسے نہ ڈھاؤں، تو میں اسے مسمار نہیں کروں ۔ لیکن اسکی توقع کے برخلاف، جب حضرت عبدالمطلب نے بات کی تو اپنے اونٹوں کے بارے میں گفتگو کی، کعبے کے بارے میں ایک تک نہ کہا ابرھہ کو تعجب ہوا، وہ بولا: میں تو آپ کو انتہائی بزرگ انسان سمجھا تھا، میرا خیال تھا کہ آپ کعبہ کی سفارش کرنے کے لیے آئے ہیں لیکن میں نے دیکھا کہ آپ تو اپنے اونٹوں کی سفارش کر ر ہیں حضرت عبدالمطلب نے بھی اسے ایک خوبصورت جواب دیا فرمایا: اَنارَبُّ الْاِبِلِ وَ لِلْبَیْتِ رَبٌّ (میں اونٹوں کا مالک ہوں اور اس گھر کا بھی ایک مالک)

''رب'' یعنی مالک ہم جو خدا کو رب کہتے ہیں، تو اس عنوان سے کہ وہ تمام ام اور تمام عالموں کا مالک حقیقی ہم کہتے ہیں: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ شکر و سپاس اس خدا کے لے جو مالک ، تمام عالموں کا مالک پس ''رب'' کے حقیقی معنی ہیں مالک اور سرپرست ر اور ربوبیت یعنی سرپرستی، خدائی نہیں۔ خدائی اور سرپرستی کے درمیان فرق ۔ جو کوئی جس چیز کا مالک ، وہ اس چیز کا رب اور سرپرست بھی ۔

اب اس حدیث کے یا معنی ہیں، جس میں امام نے فرمایا کہ: عبودیت ایک ایسا جوہر جس کی انتہا اور نہ ربوبیت ۔

ایک نہایت خوبصورت نکتہ عبودیت اور بندگی کی خاصیت یہ کہ جس قدر انسان بندگی کے راستے کو زیادہ طے کرتا ، اسی قدر اس کے تسلط ، قدرت اور ربوبیت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ۔ کس طرح؟ ہم اس نشست میں ایک انتہائی چھوٹا سا موضوع آپ کی خدمت میں عرض کر رہے ہیں، اس کے بعض دوسرے مسائل کی ایک فہرست عرض کر رہے ہیں لیکن ایک موضوع کو کھول رہے ہیں۔

ربوبیت کا اوّلین درجہ: اپنے نفس پر تسلط

عبودیت کے نتیجے میں پیدا ہونے والی ربوبیت اور برتری کا اوّلین درجہ یہ کہ انسان خود اپنے نفس کا رب اور مالک ہو جاتا ، اپنے نفس پر تسلط اور غلبہ حاصل کر لیتا ہماری بے چارگیوں میں سے ایک بے چارگی، جسے ہم مکمل طور پر محسوس کرتے ہیں، یہ کہ: ہمارے نفس کی لگام خود ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی، ہم اپنے آپ پر اختیار نہیں رکھتے، اپنی زبان پر اختیار نہیں رکھتے، اپنی شہوت پر اختیار نہیں رکھتے، اپنے شکم پر اختیار نہیں رکھتے، اپنی شرمگاہ پر اختیار نہیں رکھتے، اپنی آنکھ پر اختیار نہیں رکھتے، اپنے کان پر اختیار نہیں رکھتے، اپنے ہاتھ پر اختیار نہیں رکھتے، اپنے پیر پر اختیار نہیں رکھتے۔ اور یہ ہماری انتہائی بدبختی ہم ان گلی کوچوں میں چلتے پھرتے ہیں لیکن یہ آنکھ ہمارے اختیار میں نہیں ہوتی، {بلکہ} ہم اس آنکھ کے اختیار میں ہوتے ہیں یعنی ہم ہیں کہ اس آنکھ کا دل چاہتا کہ نظر بازی کرے، اس کا دل چاہتا کہ لوگوں کی عزتوں پر شہوت کی نگاہ ڈالے اور ہمارا دل بھی اس آنکھ کے تابع ہو جاتا :

دل بر ود چشم چو مایل بود

دست نظر رشتہ کش دل بود

ہم خود اپنی زبان کے مالک نہیں ہیں، ہمیں اپنی زبان پر اختیار نہیں جب گرم ہوتے ہیں، تو اصطلاحاً ہمارا دماغ گھوم جاتا اور ہم جو دل میں آتا بول ڈالتے ہیں بغیر سوچے سمجھے کہ کیا بول رہے ہیں، ایسی حالت میں نہ اپنے رازوں کی حفاظت کر پاتے ہیں

نہ لوگوں کے اسرار یاس حالت میں ہم لوگوں کے عیب نہیں چھپا پاتے، اپنے آپ کولوگوں کی غیبت سے نہیں روک پاتے۔۔ (ا) ہم اپنے کانوں پرَ بھی اختیار نہیں رکھتے، جو چیز مارے کانوں کو اچھی لگے، مثلاً انہیں غیبت اچھی لگتی ، تو ہم بھی اسکے سامنے سر جھکا دیتے ہیں، انہیں لہو و ب ہ ند ، توہمَ بھی تسلیم ہو جاتے ہیںہم اپنے ہاتھ پر اختیار نہیں رکھتے، اپنے پیر پر اختیار نہیں رکھتے، اپنے غصے پر اختیار نہیں رکھتے، کہتے ہیں (خود میںَ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے ہوں)

جناب!اب مجھے غصہ آ یا ، جو میرے منہ میں آئے کہہ ڈالوں مجھے غصہ آ یا ،یعنی یا؟یعنی میں ایک ایسا آدمی ہوں جو اپنے نفس کا مالک نہیں ہوں، جوں ہی مجھے غصہ آتا ، میرا کنٹرول اسکے ہاتھ میں چلاجاتا ، جو میرے منہ میں آتا ، کہہ ڈالتا ہوں، یونکہ میں غصے میں ہوتا ایک اور شخص ، جو اپنی نفسانی خواہشات کا مالک نہیں ہوتا یا انسان کو اپنے نفس کا مالک نہیں ہونا چاہیے؟ جب تک ہم اپنے نفس کے مالک نہ ہوں، یا مسلمان ہو سکتے ہیں؟ نہیں، مسلمان کے لیے لازم کہ وہ اپنے نفس کا مالک ہو۔

دوسرا درجہ: نفس کے خیالات کا مالک ہونا

یہاں تک ہم نے اس بارے میں گفتگو کی، اب ہم اس سے بلندایک درجے پر چلتے ہیں۔ میں اپنے نفس میں آنے والا خیالات کا، اپنے ضمیر کے خیالات کا مالک (ہونا چاہیے) اس مسئلے پر مکمل طور پر توجہ کی ضرورت ۔

ہم میں سے وہ لوگ جو اپنی آنکھ کے مالک ہیں، اپنی زبان کے مالک ہیں، مضبوط وقت ارادی کے مالک ہیں، اپنے ہاتھ کے مالک ہیں، اپنے پیر کے مالک ہیں، اپنی زبان کے مالک ہیں، اپنی شہوت کے مالک ہیں، اپنے غصے کے مالک ہیں، وہ ایک چیز کے مالک نہیں ہیںہم لوگ جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، ہم میں سے کوئی ایکَ بھی فرد (اگر یہاں اولیا اللہ موجود ہوں، تو مجھے نہیں معلوم) اپنے ذہنی اور نفسانی خیالات کا مالک نہیں

ا:یہاں چند سیکنڈ کی تقریر ریکارڈ نہیں ہو سکی ۔

یعنی یا؟ یعنی مارے ذہن میں آنے والے مفاہیم و معنی مارے اختیار کے بغیر اِس شاخ سے اُس شاخ پر اور اُس شاخ سے اِس شاخ پر اڑتے پھرتے ہیں ہمارے خیال کی قوت ایک چڑیا کی مانند آپ نے درختوں پر بیٹھی چڑیا کو دیکھا ہو ، وہ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر پھدکتی رہتی ، تیزی کے ساتھ ایک شاخ سے دوسری شاخ پر اڑتی پھرتی ، مارے خیال کی قوت بھی مسلسل اِس شاخ سے اُس شاخ پر اڑتی ہم سے کہا جاتا کہ برائے مہربانی اپنے ذہن کو دس منٹ کے لیے ایک نکتے پر مرکوز کر دیجیے صرف ایک موضوع کے بارے میں غور و فکر کیجیے یا مارے لیے ممکن ؟ ؟

ہم اور آپ سے کہا جاتا کہ جب آپ نماز پڑھیں، تو آپ کا ذہن اسی جانب مرکوز ر ، اور آپ میں حضور قلب پایا جائے "لا صَلوٰةَ اِلّابِحُضُورِ الْقَلْب" حضورِ قلب کے بغیر نماز قبول نہیں صحیح ، یعنی آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ آپ نے نماز یوں نہیں پڑھی، یکن ایسی نماز قبول نہیں یعنی {ایسی نماز} آپ کو کسی مقام پر نہیں پہنچاتی، آپ کے لیے کسی خاصیت کی حامل نہیں ہوتیجوں ہی ہم اللہ اکبر کہتے ہیں، اگر بالفرض ہم دکاندار ہیں، تو یوں محسوس ہوتا جیسے ہم نے اپنی دکان کا تالا کھول یا ، حمد اور سورہ پڑھتے ہیں، یکن مارا دل دکان میں لگا ہوتا ، مارا دھیان دفتر میں ہوتا ، مارا دل اپنی فلاں ملکیت میں اٹکا ہوتا ، فلاں شہوت کے پیچھے ہوتا ۔ ہم اچانک اُس وقت ہوش میں آتے ہیں، جب "السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ" کہہ ر ہوتے ہیں۔

ہم نے {اس انداز سے} اس قدر زیادہ نمازیں پڑھی ہیں کہ یہ ماری ادت سی ہو چکی ۔ ہم اپنی اِس روش کو ترک نہیں کر پاتے۔ خودکار انداز میں "اللہ اکبر" سے "السلام علیکم" تک پہنچ جاتے ہیں اور بغیر کچھ سمجھے بوجھے {نماز کو} ختم کر لیتے ہیں حالانکہ نماز کے دوران حضورِ قلب اور ذہن کا مرکوز ہونا ضروری آپ یہ نہ کہیے کہ یہ ناممکن بات نہیں، ممکن ، بہت زیادہ ممکن اگر آپ عبودیت (اَلْعُبودِیَّةُ جَوْ هَرَةٌ کُنْهُهَاالرُّبوبِیَّةُ) کے ساتھ کوشش کریں، عبودیت کی راہ میں قدم اٹھائیں، تو واقعاً آپ ایسی نماز پڑھ سکتے ہیں جو اگر پانچ منٹ کی ہو، تو ان پورے پانچ منٹ میں آپ صرف خدا کی طرف متوجہ ہوں، آپ دس منٹ نماز پڑھیں تو خدا کی طرف متوجہ ہوں اصلاً آپ کا ذہن خدا کے سوا کسی اور چیز کی طرف متوجہ ہی نہ ہو، آدھے گھنٹے، ایک

گھنٹے (اسی حال میں رہیں) اورَ پھر رفتہ رفتہ بعض او یا اللہ کی مانند ہو جاہیں اور ابتدائے شب سے صبح تک مسلسل عبادت کریں اور آپ کا ذہن ذرا کے سوا کسیَ بھی چیز کی طرف متوجہ نہ ہواس قدر غرق ہوں کہ اگر کوئی آ کر عین آپ کے سر پر کھڑا ہوکے شور وغلَ بھی مچائے، تبَ بھی آپ نہ سنیں، نہ سمجھیں اور اسکی جانب متوجہ نہ ہوں، آپ کا ذہن اس قدر مرکوز ہو جائے۔

ا ِ نماز یہ امام باسجد کا توجہ ِ قلب

امام سجاد علیہ السلام عبادت میں مشغول تھے آپ کا ایک بچہ چھت سے نیچے گرا اور اس کا ہاتھ ٹوٹ یا عورتیں جمع ہو ہیں اور چیخنے چلانے لگیں کہ بچے کا ہاتھ ٹوٹ یا ا کھ۔ بازوجوڑنے والے کو لاؤ، لوگ گے اور اعضا جوڑنے والے کو بلا لائے اور بچے کا ہاتھ باندھ دیا بچہ رویا، عورتوں نے آہ وفغاں کی، دوسرے افراد نے بھی چیخ پکار مچائی، بات ختم ہوگی، ۔ گزر یا عبادت سے فارغ ہونے کے بعدامام صحن میں تشریف لائے، ان کی نگاہ اپنے بچے پر پڑی، دیکھا اس کا ہاتھ بندھا ہوا ، آپ نے پوچھایہ یا ہوا؟ لوگوں نے بتایا بچہ چھت سے گر یاتھ اِس کا ہاتھ ٹوٹ یا تھا، ہم اعضاجوڑنے والے کو لائے، اس نے اِس کا ہاتھ باندھ دیا، اس وقت آپ نماز اور عبادت میں مشغول تھےامام نے قسم کھا کر کہا کہ مجھ بالکل پتا نہیں چلا۔

ممکن آپ کہیں کہ وہ امام زین العابدین علیہ السلام تھے، ہر آدمی تو ان کی مانند نہیں ہو سکتاخود ہم نے اپنی زندگی میں ایسے افراد کو دیکھا (البتہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس ر اور اس درجے تک) میں محسوس ہوتا تھا کہ وہ نماز شروع کرنے کے وقت سے لے کر اسکے اختتام تک ذکرِ ذرا اوریادِ ذرا میں اس طرح ڈب جاتے، اور نماز میں اس طرح غرق ہو جاتے کہ ا پنے ارد گردسے یکسر بے خبر ہوجاتے تھے! ہم نے ایسے افراد کو دیکھا ''اَلْعُبودِیَّۃُ جَوْ ھَرَۃٌ کُنْھُھَاالرُّبوبِیَّۃُ'' عبودیت اور بندگی کا نتیجہ اور اس کا اوّلین اثر یہ غلبہ اور تسلط ۔

ہم نے اِس نشست میں تسلط کے دو مرحلوں کے بارے میں عرض کیا۔ تسلط کا ایک درجہ، جو تسلط کا کم سے کم درجہ ہے، اور اگر یہ انسان میں پیدا نہ ہو، تو انسان کو یقین رکھنا چاہیے کہ اسکی عبادتیں درحقیقت اُن میں مقبول نہیں ہیں }اور یہ درجہ {اپنے نفس پر تسلط ہے یہ وہی چیز ہے کہ قرآن ازنماز کے بارے میں کہتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ[1]

نماز بے حیائی اوربُرے کاموں سے روکتی ہے۔

نماز کس طرح بے حیائی اور بُرے کاموں کا راستہ روکتی ہے؟

یا نماز پولیس ہے، کہ جب آپ کسی بُرے کام کی طرف جانا چاہتے ہیں، تو وہ ڈنڈا لے آکر آپ کا راستہ روک لیتی ہے؟ نہیں، نماز عبودیت اور بندگی ہے اس عبودیت کا نتیجہ ربوبیت اور تسلط ہے، اور تسلط اور غلبے کا کم از کم درجہ نفس پر تسلط اور غلبہ ہے۔

تقویٰ

اِنَّ تَقْوَی اللّٰہِ حَمَتْ اَولیاءَ اللّٰہِ مَحارِمَہُ وَاَلْزَمَتْ قُلوبَھُمْ مَخا فَتَہُ

۔ تقویٰ ہی نے اللہ کے دوستوں کو حرام کیے گئے کاموں سے بچایا ہے، اور اُن کے دلوں میں خوف پیدا کیا ہے (نہج البلاغہ خطبہ ۱۱۴)

تقویٰ سے کیا مراد ہے؟

یعنی اپنے آپ کو بچانا، محفوظ رکھنا۔

اپنے آپ کو بچانے سے کیا مراد ہے؟ مراد ہے اپنے نفس پر تسلط۔

۱:- نماز ہر بُرائی اور بدکاری سے روکتی ہے۔ (سورہ عنکبوت ۲۹ آیت ۴۵)

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں، تقوائے الٰہی کی ایک خاصیت یہ ہے کہ یہ انسان کو محرمات الٰہی سے محفوظ رکھتا ہے اس کی

دوسری خاصیت یہ ہے کہ یہ انسان کے دل میں خدا کا خوف بٹھاتا ہے۔

قرآن مجید روزے کے بارے میں کہتا ہے: يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ[1] اے اہل ایمان! تمہارے لیے روزہ فرض کیا گیا، اسی طرح جیسے تم سے پہلے والوں پر فرض کیا گیا تھا کیوں؟ قرآن روزے کا مقصد بھی بیان کرتا ہے: "لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْن" اس لیے کہ تمہارے اندر تقویٰ کی روح اور تقویٰ کا ملکہ پیدا ہو جائے۔

تقویٰ کے ملکہ سے کیا مراد ہے؟

مراد ہے نفس پر تسلط، نفس پر تسلط وہی چیز ہے جس کے بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اَلْعُبودِيَّةُ جَوْهَرَةٌ كُنْهُهَاالرُّبوبِيَّةُ

پس اگر ہم نے ماہ رمضان گزار لیے ہیں، احیا کی راتوں (شبہائے قدر) کو گزار لیا ہے، مسلسل روزوں کو گزار لیا ہے، اور ماہ رمضان کے بعد اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں کہ ہم اب اپنی شہوات پر اس سے زیادہ مسلط ہیں جیسے ہم ماہ رمضان سے پہلے ان پر مسلط تھے، اپنے غصّے پر پہلے سے زیادہ مسلط ہیں، اپنی آنکھوں پر پہلے میں زیادہ قابو ہو گیا ہے، اپنی زبان پر پہلے سے زیادہ کنٹرول ہے، اپنے اعضا و جوارح پر زیادہ مسلط ہیں، مختصر یہ کہ اپنے نفس پر زیادہ مسلط ہیں اور ہم نفس امارہ کا راستہ روک سکتے ہیں، تو یہ ہمارے روزے کی قبولیت کی علامت ہے۔ لیکن اگر ماہ رمضان گزر گیا، ختم ہو گیا، اور ماہ رمضان سے ہمارا حاصل (جیسا کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا ہے کہ روزے سے بعض لوگوں کو صرف بھوک اور پیاس حاصل ہوتی ہے) صرف یہ ہو کہ ہم نے ایک مہینے بھوک اور پیاس برداشت کی ہے (اکثر چونکہ ہم لوگ سحر و افطار کرتے ہیں،

۱:- صاحبان ایمان تم پر روزے اسی طرح فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے والوں پر فرض کیے گئے تھے۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ (سورہ بقرہ ۲آیت۱۸۳)

اس لئے بھوک اور پیاسؔ بھی نہیں لگتی البتہ ہم م از م بے حال توہوہی جاتے ہیں) ایک مہینے تک بے حال کا شکار ر ، اور اِس بے حال کے نتیجے میں کام کے لے ماری وانائی م ہو گئی، اور یونکہ کام کاج کے لے ماری قوت وانائی م ہو گئی، تو آ کے روزے پر الزام لگاتے ہیں کہ اِس روزے کی وجہ سے ماری کارکردگی م ہوئی(جوطالبِ علم وہ کہتا کہ پورے ماہِ رمضان میں میری پڑھنے کی قوت م ہو گئی، جوکوئی اور کام کرتا وہ کہتا کہ میری فلاں کام کی طاقت م ہو گئیپس روزہ ایک بُری چیز) یہ مارے روزے کے قبول نہ ہونے کی علامت جبکہ اگر انسان ماہِ رمضان میں واقعی معنی میں روزہ رکھنے والا ہو، اگر واقعا اپنے آپ کو بھوکا رکھے، اگر جیسا کہ کہا یا تین وقت کے کھانے کو دو وقت کا کر لےیعنی پہلوہ ناشتہ، دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا کھاتا تھا، اب دوپہر کا کھانا نہیں کھائے، اسکی افطار ایک ناشتے کی مانند مختصر ہو، اسکے بعد سحر کے وقت معدے پر بہت زیادہ بوجھ نہ ڈالے، بلکہ ایک معمول کی غذا کھائے، تو اسے احساس ہو کہ کاموں کے سلسلے میں اسکی جسمانی قوت میںؔ بھی اضافہ ہوا ، اور کارِ خیر کے لے اسکی روحانی قوتؔ بھی بڑھی یہ م از م عبادت ۔

ہم نے گفتگو کی ابتدا میں ایک آیت پڑھی تھی آپ کی خدمت میں اس آیت کا ترجمہ پیش کرتے ہیں، جس کا مفہوم ی س قرآنِ مجید، نہج البلاغہ، امام جعفر صادق علیہ السلام، امام زین العابدین علیہ السلام جو بھی باتیں مختلف الفاظ اور مختلف بانوں میں کہیں، جب آپ ان پر نگاہ ڈالتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی حقیقت تک پہنچے ہوئے ہیں، اور ایک ہی حقیقت کا ذکر کرتے ہیںہم آیاتِ قرآنی میں سے دو آیات میں اس طرح پڑھتے ہیںیعنی دو مقامات پر یہ آیت آئی : يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ[1] اے اہلِ ایمان! نماز اور صبر (جس کی تفسیر روزہ کی گئی) سے مدد لویہ انتہائی عجیب تعبیر !ہم سے کہتے ہیں کہ نماز سے مدد مانگو، روزے سے مدد مانگویعنی تم نہیں جانتے کہ یہ نماز قوت کا کیسا سرچشمہ !یہ روزہ طاقت کا کیسا منبع !

----

[1] :- سورہ بقرہ ۲آیت ۱۵۳

اگر تمہیں نماز پڑھنے کے لے کہا یا ، تو قوت و طاقت کے ایک سرچشمے کی جانب تمہاری رہنمائی کی گئی ، اور اگر روزہ رکھنے کوکہا یا ، تو طاقت کے ایک سرچشمے کی طرف تمہاری رہنمائی کی گئی تم اپنے نفس اور روح پر مسلط ہونے کے لیے نماز پڑھو، روزہ رکھو۔ اَلْعُبودِیَّۃُ جَوْھَرَۃٌ کُنْھُھَاالرُّبوبِیَّۃُ۔

اب یااِس ربوبیت اور تسلط کا خاتمہ کہیں پر ہواجاتا ہے؟ نہیں!اسکے درجات اور مراتب ہیں آپ عبادت کے راستے پر جس درجے بھی آگے بڑھیں گے، ربوبیت حاصل کریں گے اور اصطلاحاً ولایت حاصل کریں گے یعنی تسلط حاصل کریں گےاِس درجے سے جس کے بارے میں ہم نے عرض کیا ایک درجہ بالاتر} جا پہنچیں گے{، وہاں پہنچ جائیں گے کہ آپ اپنے نفس کے خیالات کے مالک بن جائیں گے۔

بالاتر درجات

یا اس سے بھی بالاتر کوئی درجہ ہے؟ ہاں، انسان (م از م اپنے بارے میں) مستجاب الدعوۃ ہوجاتا ہے حتیٰ عبودیت کے نتیجے میں اپنے بدن پر اثر انداز ہو سکتا ہے، معجزہ کر سکتا ہے، کرامت کر سکتا ہے، (اَلْعُبودِیَّۃُ جَوْ ھَرَۃٌ کُنْھُھَاالرُّبوبِیَّۃُ) اس کا نتیجہ تسلط ہے۔ یااِس سے بڑھ کر بھی ہے؟

جی ہاں، یکن یہ بڑھ اور بالاتر درجہ مارے فہم اور ماری فکر کے لے بہت زیادہ ہے بہت سے افراد یہ باور نہیں کر سکتے کہ کوئی انسان عبودیت کے اثر سے، خدا کی بندگی اور تذلل کے اثر سے، صراطِ عبودیت کو طے کرنے کی وجہ سے، اس مقام پر جا پہنچتا ہے کہ کائنات میں بھی تصرف کر سکتا ہے یعنی ایک بیمار کا روحی راستے سے علاج کر سکتا ہے، ایک پیدائشی اندھے کو شفا دے سکتا ہے، ایک مبروص (leper) کو شفا دے سکتا ہے (جیسا کہ قرآنِ کریم حضرت عیسیٰ ابن مریم کے بارے میں بیان کرتا ہے)

البتہ ان ِ الٰں سے ٰرا نے انہیں یہ قدرت دی ہوئی ان ِ ٰرا وہس قدرت جو ٰرا عطا : وَ تُبْرِئُ الْاَکْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ [1] یا ایک دوسری آیت میں: وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ [2] یہ ایک بلند تر درجہ جس کے بارے میں ہم فی الحال گفتگو نہیں چاہتے، بعد کی نشست میں انشاء اللہ آپ کی ٰرمت میں "قرب" کے بارے میں کچھ نکات رض کریں گے یہ جو ہم عبادت میں کہتے ہیں کہ "قربۃ ً الیٰ اللہ" اس کے یا معنی ہیں؟ تقرب ِ ٰرا سے یا مراد ؟ اس بات کی انشاء اللہ آپ کی ٰرمت میں وضاحت کریں گے۔

ضرت علی علیہ السلام ان بندوں اور ابروں میں سے ہیں جو اِس ٰراوٰر ری پر پہنچے ہوئے ہیں البتہ غلط فہمی پیدانہ ہو جائے، آپ یہ تصور نہ کیجیے کہ یہ عبودیت جس کا نتیجہ ٰراوٰر ری اور تسلط اس کا نتیجہ خود پ ندیٰ بھی ہرگز نہیں، خود پ ندی کا عبودیت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں کیا اس کا نتیجہ رور اور انانیت ؟ نہیں ہرگز نہیں۔

وہ بندہ جو ربوبیت کے لیے بندگی کرتا ، اسے اپنے مل کا کوئی نتیجہ حاصل نہیں وہ تو عبودیت تذلل اور خاکساری کے سوا کوئی اور چیز نہیں ۔ ضرت علی علیہ السلام اپنی اجات میں رض کرتے ہیں: ٰرایا ! کَفٰی لی فَخراً اَنْ اَکونَ لَکَ عَبْداً وَکَفٰی لی عِزّاً اَنْ تَکونَ لی رَبّاً بار ِ الٰہا! میرے لیے یہ افتخار کافی کہ میں تیرا بندہ رہوں اور میرے لیے یہ زو شرف بہت کہ تو میرا رب، ٰراوٰر ر، اور پروردگار ۔

ہم ضرت علی علیہ السلام کے لیے بہت سے مقامات اور درجات کے قائل ہیں، اور قائل ہونا بھی چاہیے دراصل مسئلہ ولایت، جس کے حوالے سے کہتے ہیں کہ بغیر ولایت ِ تکوینی کے (ان رود میں جس کے بارے میں شاید ایک نشست میں آپ کی ٰرمت میں رض کریں) دراصل ولایت ہی نہیں ہوتی} وہ لوگ {غلط فہمی کا شکار ہیں، انہوں نے سمجھا نہیں ، علم نہیں رکھتے،

۱:- اور تم پیدائشی اندھوں کو اور برص میں مبتلا لوگوں کو ماری اجازت سے صحتیاب کردیتے تھے اور ماری اجازت سے مردوں کو زندہ کردیا کرتے تھے۔ (سورہ مائدہ ۵ آیت ۱۱۰)

۲:- اور حکم ِ ٰرا سے مردوں کو زندہ کروں ۔ (سورہ آل مران ۳ آیت ۴۹)

وہ لوگ جو ولایت تکوینی کے منکر ہو گے ہیں اور حق ولایت ِ تکوینی کو نہیں سمجھے ہیں کہ وہ یا انہوں نے ایک اور چیز کو جاہلانہ طور پر فرض اور تصور کر یا اورکواسی بار بار لوگوں سے کہا ، انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں بھی لکھا یونکہ ان کا ذہن ان مسائل تک نہیں پہنچتا،یہ لوگ بنیادی طور پر انسان اور خدا کو نہیں پہچانتے،اس قسم کے مسائل کے بارے میں اظہار ِ رائےکرنا، دو مسئلوں کی فرع :اوّل خدا کی شناخت، دوّم: انسان کی شناخت اور انسان کی اندرونی صلاحیتوں کی شناخت، اور خدا سے انسان کے تقرب کے معنی اور عبودیت اور عبادت کے معنی۔

حضرت علی علیہ السلام جنہیں اس قدر محبوبیت حاصل ، یہ ان کی عبودیت کی وجہ سے یا خوب کہتے ہیں ابو سعید ابی الخیر (یاخواجہ عبداللہ انصاری)

آن کس کہ تورا شناخت جان راچہ کند

فرزند و عیال و خانمان راچہ کند

دیوانہ کنی[۱] ھر دوجہانش بخشی[۲]

دیوانہ توھر دو جھان راچہ کند

ایسا شخص جو تیرا مجذوب ہواچاہتا ، اسے ان ربوبیتوں کی یا پرواہ جو انانیت، غرور اور تکبر پیدا کرتی ہیں۔

یہ ایام، ایک طرف تو احیا کے دن اور راتیں ہیں، دعا کے دن اور راتیں ہیں، عبودیت اور بندگی کرنے کے دن اور راتیں ہیں اور دوسری طرف مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے ایام ہیں اس ہستی کی شہادت کے ایام ہیں جو عظیم ترین بندان ِ خدا میں سے ایک پیغمبر اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بعد ہم ایسی بندگی رکھنے والے کسی اور بندے سے واقف نہیں ہیں۔

۱:یعنی اسے اپنا شیفتہ اور مجذوب کر لیتا ۔

۲:-اسی ربوبیت کے بارے میں کہہ رہے ہیں(اَلْعُبودِيَّةُ جَوْ هَرَةٌ كُنْهُهَاالرُّبوبِيَّةُ)

ضرت علی علیہ السلام کے ضرب لگنے سے شہادت تک تخمینہ لگایا یا کہ تقریباً پینتالیس گھنٹے ہوں گے یعنی اس لحظے تک جب کہ آپ کی روح نے ملکوت کی جانب پرواز کی اور ہمارے خیال میں پینتالیس گھنٹے کی یہ مدت حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے حیرت انگیز ترین ادوار میں سے ہے ان پینتالیس گھنٹے میں انسان حضرت علی کی شخصیت کو دیکھتا ہے، ان پینتالیس گھنٹوں میں علی کا یقین اور ایمان دوسروں پر نمایاں ہوتا ہے خود ان کی نظر میں یہ ایسے لحظات اور ساعتیں ہیں کہ جس میں انہوں نے اپنا انعام حاصل کیا مقابلے کو انتہا تک پہنچایا ، انتہائی افتخار کے ساتھ اپنے پروردگار کے پاس جانا چاہتے ہیں۔

ضرت علی علیہ السلام ایک دوسری ہی شے نہج البلاغہ میں ، فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ :اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَ هُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَیَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَ لَیَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِیْنَ[۵] تو میں سمجھ گیا کہ امتِ اسلامیہ میں فتنے پیدا ہوں گے مجھے شہادت کی بڑی تمنا تھی، میری آرزو تھی کہ جنگ احد میں شہید ہو جاؤں مسلمانوں کے ستر افراد شہید ہو گئے جب میں شہید نہ ہوا تو میں انتہائی دل گرفتہ تھا، میں رنجیدہ ہو گیا (یہ باتیں ایک جوان کر رہا ہے جنگِ احد کے زمانے میں حضرت علی علیہ السلام ایک تقریباً پچیس برس کے مرد تھے، ان کے دو چھوٹے بچے تھے، امام حسن اور امام حسین، صدیقہ طاہرہ جیسی ان کی زوجہ تھیں لیکن باوجود شہادت کی آرزو نے علی کو اس قدر بے تاب کر رکھا تھا کہ جب آپ شہید نہ ہوئے تو رنجیدہ تھے) پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پہلے ہی ان سے وعدہ کیا ہوا تھا شاید خود انہوں نے ہی رسول کریم سے سوال کیا تھا کہ اے اللہ کے رسول! میں کس انداز سے دنیا سے رخصت ہوں گا؟ پیغمبر نے فرمایا تھا کہ تم ایک شہید کی صورت میں دنیا سے جاؤ گے لیکن جب آپ نے دیکھا کہ آپ جنگِ احد میں شہید نہیں ہوئے، تو آپ رنجیدہ ہوگئے رسول کریم کی خدمت میں تشریف لے گئے اور کہا: اے اللہ کے رسول ! آپ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ شہادت کو میرا مقدر بنائے پس آخر کیوں میں احد میں شہید نہیں ہوا؟

۵۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ صرف اس بات پر چھوڑ دیے جائیں گے کہ وہ یہ کہہ دیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور ان کا امتحان نہیں ہوگا۔ بے شک ہم نے ان سے پہلے والوں کا بھی امتحان لیا ہے اور اللہ تو ہر حال یہ جاننا چاہتا ہے کہ ان میں کون لوگ سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں۔ (سورہ عنکبوت ۲۹۔ آیت ۲ اور ۳)

آنحضرت نے فرمایا: علی جان، زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا، آپ یقیناً اس امت کے شہید ہوں گے اسکے بعد پیغمبر نے علی سے ایک سوال کیا: علی جان، بتاؤ جب تم بستر شہادت پر ہو گے تو کس طرح صبر کرو گے؟ آپ کیسا شاندار جواب دیتے ہیں} فرماتے ہیں{: اے اللہ کے رسول! وہ تو صبر کی جگہ نہیں، وہ توخوشی کی جگہ ہے، شکر اور سپاس گزاری کا مقام ہے آپ مجھے بتایے کہ جب میں بستر شہادت پر ہوں، تو کس طرح خدا کا شکر ادا کروں؟

علی ہمیشہ اپنے اس گم گشتہ کی تلاش میں رہتے تھے اجمالاً آپ جانتے تھے کہ آپ کا یہ سر راہِ خدا میں ضرب کھائے گا آپ کہا کرتے تھے کہ خدایا! وہ پیارا لمحہ، وہ خوبصورت لحظہ، وہ پر لذت اور شادمانی بھری ساعت کب آئے گی؟ رسول مقبول نے حضرت علی سے فرمایا تھا کہ آپ کی شہادت ماہِ رمضان میں واقع ہو گی اور اس چالیس ہجری کے ماہِ رمضان میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ علی کے دل کو پتا چل گیا تھا کہ اس ماہِ مبارک میں اس کی تمنا پوری ہو جائے گی علی کے بچوں کو محسوس ہو رہا تھا کہ بابا اس ماہِ رمضان میں ایک انتظار، اضطراب اور بے چینی کا شکار ہیں ایسے جیسے کسی بڑی بات کا انتظار کر رہے ہیں۔

رمضان کی تیرہویں تاریخ ہے، آپ لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے ہیں، ان سے خطاب فرماتے ہیں، خطبے کے درمیان آپ کی نگاہ امام حسن پر پڑتی ہے، اپنی گفتگو روک دیتے ہیں، آواز دیتے ہیں حسن! بتاؤ اس مہینے کے کتنے دن گزر گئے ہیں؟ ایک انتہائی عجیب سوال ہے علی خود ہر ایک سے بہتر جانتے ہیں کہ کتنے روز گزر چکے ہیں لیکن اپنے اس جوان سے دریافت کر رہے ہیں؟ حسن عرض کرتے ہیں بابا: بابا جان! تیرہ دن گزر چکے ہیں آپ فوراً امام حسین کی طرف رخ کرتے ہیں: بیٹا حسین! اس مہینے کے کتنے دن باقی بچے ہیں؟ (بالکل واضح ہے کہ جب تیرہ دن گزر چکے ہیں تو سترہ دن باقی رہ گئے ہیں) بابا! سترہ روز باقی رہ گئے ہیں} یہ سن کر{ آپ اپنی ریشِ مبارک پر ہاتھ پھیرتے ہیں اور فرماتے ہیں: اس داڑھی کا اس سر کے خون سے رنگا جانا بہت قریب ہے آپ کو اس ساعت، اور اس دن کا انتظار تھا۔ امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے ان چالیس گھنٹوں کے دوران جو خوبصورت جملے ارشاد فرمائے ان میں سے ایک یہ ہے دوسرے لوگ انتہائی مضطرب اور رنجیدہ تھے آنسو بہا رہے تھے، رو پیٹ رہے تھے،

لیکن خود علی، بشاشت کا اظہار کر رہے تھے فرمایا: واللهِ مافَجَأَنی مِنَ الْمَوْتِ وارِدٌ کَرِهْتُهُ وَلا طالِعٌ اَنْکَرْتُهُ وماکُنْتُ اِلّاکَقارِبٍ وَرَدَوَطالِبٍ وَجَدَ خدا کی قسم اگر میں مر جاؤں تو مجھے کوئی کراہت نہیں ہو گی، ذرہ برابر کراہت نہیں یہ میرے لیے ایک انجانی بات نہیں تھی، ایک انجانا مہمان نہ تھا، ایک جانا پہچانا مہمان تھا اسکے بعد فرمایا: تم جانتے ہو کہ میری مثال کیسی ہے؟ اس عاشق کی سی مثال ہے جو اپنے مطلوب اور معشوق کا پیچھا کرتا ہے، اور اسے پا لیتا ہے میری مثال اس پیاسے کی سی ہے جو ایک تاریک رات میں پانی کی تلاش میں رہتا ہے اور کچھ پانی دریافت کر لیتا ہے، وہ کس قدر خوش ہوتا ہے!

آپ کے اصحاب آتے ہیں، }کہتے ہیں{ بے شک اے امیر المومنین! آپ کے لیے ایسا ہی ہے لیکن آپ کے بعد ہم کیا کریں گے؟ انیسویں کی شب، حضرت علی کے بچوں کو محسوس ہو گیا تھا کہ آج ایک اور ہی طرح کی رات ہے، چونکہ اس رات حضرت کی ایک خاص وضع تھی کبھی آپ باہر تشریف لاتے، آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتے اورواپس پلٹ جاتے اس راتَ بھی علی صبح تک نہ سوئے آپ کے بچے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے تھے امیر المومنین کے یہاں نماز پڑھنے کی ایک مخصوص جگہ تھی یعنی گھر میں ایک کمرہ تھا جہاں نماز پڑھا کرتے اور عبادت کیا کرتے تھے حسن ابن علی علیہما السلام، جو اپنے گھر چلے گئے تھے، صبح طلوع ہونے سے پہلے اپنے گھر سے لوٹ آئے، اپنے پدرِ بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے نماز پڑھنے کی جگہ گئے، دیکھا کہ علی بیٹھے ہوئے عبادت میں مشغول ہیں اس موقع پر آپ نے وہ بات جو اس رات واقع ہوا تھا اپنے فرزند حسن سے بیان کیا فرمایا: بیٹا! کل رات میں اسی طرح بیٹھا ہوا تھا (یعنی میں کل رات نہیں سویا تھا، بستر نہیں بچھایا تھا) کہ میری آنکھ لگ گئی ایک لمحے میں، ایک عجیب سرعت کے ساتھ، اسی خواب کے عالم میں، میں نے تمہارے نانا پیغمبر اکرم کو دیکھا "مَلَکَتْنی عَینی وَاَنا جالِسٌ فَسنَحَ لی رَسولُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ" میری آنکھ لگ گئی، مجھ پر نیند کا غلبہ ہو گیا، میں نے اسی طرح بیٹھے بیٹھے ایک لمحے کے لیے پیغمبر کو دیکھاجوں ہی پیغمبر پر میری نگاہ پڑی میں نے ان کی خدمت میں امت کی شکایت کی، میں نے عرض کیا: یا رسولَ اللهِ ماذا لَقیتُ مِن اُمَّتِکَ مِنَ الْاَوَدِ وَاللَّدَدِ اے اللہ کے رسول! میں نے آپ کی امت کے ہاتھوں کیا کیا ستم سہے ہیں، اور اس امت نے میرا کیسا کیسا دل دکھایا! اے اللہ کے رسول! میں آپ سے اپنے دشمنوں کی۔ ۔ (*)

*آخری چند سیکنڈ کی تقریر ریکارڈ نہیں ہوئی ۔

حقیقی طور پر نزدیک ہونا ۱۰

گزشتہ نشست میں ہم نے عبودیت، حق کی بندگی، حق کی پرستش اور اس کے آثار کے بارے میں کچھ گفتگو کی تھی جو عبودیت سے انسان کے لیے مرتب ہوتے ہیں، اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی وہ حدیث جو ''مصباح الشریعہ'' میں نقل ہوئی ہے، اسے پیش کیا تھا حدیث یہ تھی: اَلْعُبُودِیَّةُ جَوْهَرَةٌ کُنْهُهَاالرُّبُوبِیَّةُ اس حدیث کے بارے میں کچھ وضاحتیں عرض کی تھیں لیکن گزشتہ وضاحتوں کے بارے میں مزید گفتگو کی ضرورت ہے ساتھ ساتھ ہم ان نکات کے بارے میں بھی کچھ مطالب آپ کی خدمت میں پیش کریں گے جن کے حوالے سے ہم نے اِس نشست میں گفتگو کا وعدہ کیا تھا، یعنی مسئلہ ''تقربِ الٰہی'' جو عبادت کی روح ہے پہلے ہم آپ کی خدمت میں تقرب کا مسئلہ عرض کرتے ہیں۔

آپ جب کبھی کوئی عبادت انجام دینا چاہتے ہیں، مثلاً نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج انجام دیتے ہیں، یا زکات دیتے ہیں، تو نیت کرتے ہیں اور نیت میں کہتے ہیں کہ: نماز پڑھتا ہوں قُرْبَةً اِلَی اللهِ یعنی نماز پڑھتا ہوں تاکہ خدائے تبارک و تعالیٰ کے نزدیک ہو جاؤں روزہ رکھتا ہوں قُرْبَةً اِلَی اللهِ، اس لیے کہ خدا سے نزدیک ہو جاؤں، حج کرتا ہوں قُرْبَةً اِلَی اللهِ، اس لیے کہ خدا کا قرب حاصل کر لوں، انفاق کرتا ہوں، دوسرے انسانوں کے کام آتا ہوں، تاکہ خدا کا قرب میسر آئے۔

ہم اس نشست میں، آپ کی خدمت میں، خدا سے نزدیک ہونے کے معنی کی وضاحت کرنا چاہتے ہیں، یعنی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ بنیادی طور پر خدا سے نزدیک ہونا کوئی معنی و مفہوم رکھتا بھی ہے یا نہیں، بالفاظِ دیگر خدا سے نزدیک ہونا کیا ایک حقیقی نزدیکی ہے، واقعاً انسان ایک وسیلے سے، عبادت و اطاعت کے وسیلے سے (وہ عبادت و اطاعت جس شکل کی بھی ہوا کرے) خدا سے نزدیک ہوتا ہے، یا خدا سے واقعی نزدیک ہونے کا کوئی مفہوم نہیں ہے۔

یہ جو ہم کہتے ہیں کہ خدا سے نزدیک ہوتے ہیں، یہ ایک تعبیر ہے، ایک مجازی مفہوم ہے کس طرح؟ ہم آپ کی خدمت میں دو مثالیں پیش کرتے ہیں ایک اُس مقام کی جس میں ایک شے کی دوسری شے سے نزدیکی حقیقی ہے اور ایک اُس مقام کی جہاں ایک شے کا دوسری شے سے نزدیک ہونا ایک مجازی تعبیر ہے، حقیقی اور واقعی نہیں۔

حقیقی طور پر نزدیکہ ۱۰

جہاں نزدیک ہونے سے ماری ت بیر حقیقی } طور پر نزدیک وہ ۱۰ { } وہ یہ کہ { آپ یہاں } تہران { سے قم اجا چاہتے ہیں، آپ جس قدر چلتے چلے جائیں گے اس قدر کہیں گے کہ میں قم سے قریب ہو رہا ہوں اور تہران سے دور ہو رہا ہوں، قم سے آپ کا قریب وہ ۱۰ ایک معنی اور مفہوم رکھتا یعنی آپ جو تہران میں ہیں، آپ کے اور شہر قم کے درمیان ایک حقیقی فاصلہ موجود ، اور آپ } سفر کے ذریعے { تدریجاً اس فاصلے کو م کر ر ہٰلہذا آپ کہتے ہیں کہ میں قم شہر سے نزدیک ہو رہا ہونیہ نزدیک ہونے کے ایک معنی ہیں حقیقتاً آپ تہران سے چل کر قم کی طرف جا ر ہیں، آپ کے اور قم کے درمیان ایک فاصلہ ، اور تدریجاً یہ فاصلہ م وہ تااجتا ، یہاں تک کہ آپ قم پہنچ جاتے ہیں آپ اس قدر نزدیک ہو جاتے ہیں کہ پھر ''نزدیکی'' کا ہ بھی تقریباً بے معنی ہواجتا یعنی آپ قم پہنچ گے ہیں اور واصلِ قم ہو گے ہیںیہ نزدیک ہونا، حقیقی طور پر نزدیک وہ ۱۰ ۔

مجازی طور پر نزدیکہ ۱۰

ہم ایک اور طرح کے نزدیک ہونے سے بھی واقف ہیں، جو ت بیر ، حقیقی طور پر نزدیک وہ ۱۰ نہیں وہ کس طرح؟

آپ ایک عہدے و منصب کے حامل شخص، یا کسی دولت مند شخص کو پیش نظر رکھے، جس کے پاس بہت زیادہ طاقت اور بہت زیادہ مال و دولت پھر ہم بعض افراد کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ فلاں عہدیدار سے نزدیک ، فلاں شخص فلاں عہدیدار سے نزدیک آپ سے پوچھتے ہیں کہ یا آپ فلاں قدرت مند شخص سے نزدیک ہیں، یا نزدیک نہیں ہیں؟ مثلاً آپ کہتے ہیں : نہیں، میں } اس سے { نزدیک نہیں ہو ںلیکن فلاں شخص اُس سے بہت نزدیک ۔

کیسے؟ مجھے کسی قدرت مند اور منصب ومقام کے حامل شخص سے کوئی کام پڑتا ، میں چاہتا ہوں کہ ایک ایسے شخص کے پاس جاؤں جو اس سے نزدیک ہو، وہ میرا اس سے تعارف کرائے اور میری مشکل حل ہو جائےیہ نزدیک وہ ۱۰ کس قسم کا نزدیک وہ ۱۰ ؟

اگر آپ کہتے ہیں کہ ایاز، سطان محمود سے نزدیک تھا، تو اس نزدیک ہونے سے یا مراد ؟ آپ کو ہر قدرت مند شخص کے حوالے سے اس قسم کی چیز نظر آئے گی مثلاً کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نزدیک تھے یا اس سے مراد یہ کہ ہمیشہ پیغمبر اور علی کے درمیان کم مکانی فاصلہ رکھا جاتا تھا؟ یعنی اگر اس کا حساب لگایا جاتا، تو ہمیشہ دوسرے افراد پیغمبر سے ایک فاصلے پر ہوتے تھے اور وہ شخصیت جس کے جسم کا فاصلہ پیغمبر کے جسم سے سب سے زیادہ کم تھا وہ علی تھے؟

جب آپ کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں عہدیدار سے قریب ؟ تو کیا آپ کی مراد یہ ہوتی کہ اُس کا مکانی فاصلہ کم ؟ نہیں، یہ مراد نہیں ہوتی۔ اگر اس طرح ہو، تو اس عہدیدار کے دروازے پر رہنے والا چپراسی، تمام دوسرے لوگوں سے زیادہ اس سے نزدیک کیونکہ وہ ہمیشہ اس سے صرف تین چار میٹر کے فاصلے پر رہتا اور اسکی خدمت کے لیے تیار رہتا کوئی بھی اور قدرت مند شخص اس عہدیدار کے چپراسی سے زیادہ اس سے نزدیک نہیں حالانکہ آپ کی مراد یہ نہیں ۔ آپ جانتے ہیں کہ وہ چپراسی ان معنی میں جو آپ کہہ رہے ہیں، اس شخص سے نزدیک نہیں }بلکہ{ سرے سے نزدیک ہی نہیں ۔

پس پھر آپ کس معنی میں کہتے ہیں کہ اسکے نزدیک قریب اور مقرب ؟ آپ کی مراد یہ کہ اسکے دل میں، اسکے ذہن میں اس انسان کو ایسی محبوبیت اور ایسا احترام حاصل کہ وہ اسکی بات نہیں ٹالتا، اسکی خواہش رد نہیں کرتا، اسکی خواہش اسکے لیے ایسے ہی جیسے خود اسکی اپنی خواہش ہو یہ قرب، قربِ معنوی لیکن جب ہم قربِ معنوی بھی کہتے ہیں، تو در حقیقت یہ ، قربِ مجازی یعنی خود یہ، خود اس سے، یہ شخص اُس شخص سے نزدیک نہیں ، بلکہ یہ اس انسان کے ذہن اور روح میں ایک خاص محبوبیت رکھتا ، اسکے لطف و عنایت کا مورد ، اس وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ نزدیک ۔

ایک بندے کے خدا سے نزدیک و نے کے کیا معنی ہیں ؟

یقینی طور پر پہلے معنی والی نزدیکی مراد نہیں یعنی جب ہم کہتے ہیں کہ بندہ عبادت کی وجہ سے خدا سے نزدیک ہوا جاتا ، تو اس سے مراد یہ نہیں ہوتی کہ اس بندے کا خدا سے فاصلہ کم ہوا جاتا یعنی پہلے اسکے اور خدا کے درمیان فاصلہ موجود تھا، اب تدریجاً وہ اس سے نزدیک اور نزدیک ہو رہا یہاں تک کہ فاصلہ ختم ہو جاتا اور وہ مرحلہ { آ پہنچتا } جس کے متعلق قرآنِ مجید کہتا کہ: يٰاَيُّهَاالْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِيْهِ[1] جس کا نام پروردگارِ ام سے ملاقات اور لقائے رب دو جسموں کی مانند جو ایک دوسرے کے نزدیک آ جاتے ہیں مثلاً جس طرح آپ قم پہنچ جاتے ہیں، ویسے ہی بندہ خدا تک پہنچ جاتا اس قسم کے معنی نہیں ہیں اور یقیناً مراد یہ نہیں ۔

کیوں؟ اس لیے کہ ان دسیوں عقلی دلائل سے قطع نظر جو یہاں موجود ہیں کہ خدا اپنے بندوں سے فاصلے پر نہیں ، خدا کا کوئی مکان نہیں ، جس کی بنا پر اس قسم کا فاصلہ فرض ہو سکے، قرآن اور اسلام کی منطق کے لحاظ سے بھی، یعنی نقلی منطق کے لحاظ سے بھی، جس نے میں خدا سے قرب اور نزدیکی کا حکم دیا ، جس نے میں زُلفای عند اللہ کا حکم دیا ، وہی جس نے ہم سے کہا کہ خدا کا قرب حاصل کرو کوئی خدا سے دور ہوتا اور کوئی خدا سے نزدیک وہی منطق کہتی کہ خدا تمام موجودات سے نزدیک ، خدا کسی موجود سے دور نہیں: وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ[2] ہم انسان کی رگِ گردن سے بھی زیادہ اسکے قریب ہیں دوسری آیت: وَ هُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ[3] تم جہاں کہیں ہو، خدا تمہارے ساتھ خدا کسی موجود سے دور نہیں ۔

۱۔ اے انسان! تو اپنے رب کی طرف جانے کی کوشش کر رہا ، تو ایک دن اس کا سامنا کرے ۔ (سورہ انشقاق ۸۴۔ آیت ۶)

۲۔ اور ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا اور میں معلوم کہ اس کا نفس کیا کیا وسوسے پیدا کرتا اور ہم اس سے رگِ گردن سے زیادہ قریب ہیں۔ (سورہ ق ۵۰ آیت ۱۶)

۳۔ اور وہ تمہارے ساتھ ، تم جہاں بھی ہو۔ (سورہ حدید ۵۷ آیت ۴)

پس ان معنی میں فاصلے کو م کرنے کا کوئی مفہوم نہیں پایاجاتاہاں، ایک نکتہ جسے ہم بعد میں ـرض کـریں گے۔ ـرا تمـام لوگوں سے مساوی طور پر نزدیک بلکہ تمام اشیا سے یکساں طور پر نزدیک یکن اشیا مساوی طور پر ٰرا سے نزدیک نہیں ہیںٰبعض اشیا ٰرا سے دور ہوتی ہیں یکن ٰرا تمام اشیا سے نزدیک ، اور اس میںً بھی ایک راز پوشیدہ ، جسے شاید آپ کے لے ـرض کر سـوںبہرحال، ان معنی میں نہیں کہ دو چیزوں کے درمیان فاصلہ ہو اور ہم عبادت کے ذر یعےاِن دوچیـزوں کا فاصـلہ ـم کریں۔

پس یا دوسرے معنی مراد ہیں؟ٰیعنی یاٰرا وندِ ام کا قرب، معاشرتی ہدے و مقام کی حامل ہستیوں سے تقرب کی مانـد ؟ باٖفاظِ دیگر ٰراسے تقرب ایک ہسی تٰ بیر جسے ہم استعمال کرتے ہیں؟ ایک مجاز جسے ہم استعمال کرتے ہیں؟ اسی طرح جیسے ہم نے اپنی اجتماعی گفتگو میں اس قسم کی باتوں کو قرار دیا ہوا ایک مطب جو واقعی نزدیکـوہ ا نہیں }بلکہ ہـم نے{توجـہ کا مورد ہونے کو، عنایت کا مورد ہونے کو، طف کا مورد ہونے کو قرب اور تقرب کا نام دیاہوا ۔ بہت سے افراد، حتیٰ بہـت سے علما اس طرح تصور کرتے ہیںکہتے ہیں کہ پروردِ ر سے تقرب کے یٰں معنی ہیں جو تتیے میں تٰ بیر اور مجاز ۔

اگر ہم کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ ٰرا سے نزدیـک ہیںٰیعنـی دوسـرے تمـام انسانوں سے زیادہ ٰرا کے نزدیک مقرب ہیںٰیعنی ان پر ٰرا کا سب سے زیادہ طف اور عنایت بلاتشبیہ } ـرض {، ہـم ٰـرا سے تشبیہ دینا نہیں چاہتےممکن آپ کے ایک سے زیادہ بچے ہوں، اور ان بچوں میں سے ایک بچـہ آ پ کـے ذوق، مـزاج اور آئیڈیل کے زیادہ مطابق ہوآپ کہتے ہیں کہ اپنے بچوں میں سے یہ بچہ دوسرے بچوں کی ٰبت میـرے سـب سے زیـادہ قریـب ٰیعنی ان سب سے زیادہ میری توجہ کا مرکز اگرچہ آپ کے تمام بچے، جسمانی اعتبارسے آپ سے مساوی طـورپر نزدیـک ہـیں، سب کے سب ایک ہی گھر میں ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیںکبھی کبھی وہ بچہ جسے آپ م پ ند کرتے ہیں وہ آپ کے نزدیـک بیٹھ اجتا اور وہ بچہ جسے آپ زیادہ پ ند کرتے ہیں وہ آپ سے دو میٹر فاصلے پر بیٹھتا ۔

کہتے ہیں کہ پرورد ر کے مقرب ہونے کے معنی اسکے سوا کچھ اور نہیں ہیں کہ ہم زیادہ پرورد ر کی عنایت کے مرکز ہونگے۔ یہ بے معنی بات کہ ہم نزدیک ہو ں اور ا کی طرف چلیں!اسی طرح یہ باتً بھی بے معنی کہ ا ماری طرف آئے اور ا ہم سے نزدیک ہو جائے مارے واقعاً ا سے نزدیک ہونے کا بھی کوئی مفہوم نہیں!خدا تو ہر چیز سے نزدیک ہم ا سے نزدیک ہو جائیں، یعنی یا؟

قربِ الٰہی کے معنی

یکن وہ علما جو گہری نظر رکھتے ہیں اور زیادہ معرفت کے حامل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نہیں، بات اس طرح نہیں ا سے نزدیک ا، قیقی طور پر نزدیک ا ، مجازی اور بیری طور پر نزدیک ا نہیں!انسان واقعاً ا سے نزدیک تر ہوا یکن یہ تصور نہ کیجیے کہ اس نزدیک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم کسی فاصلے کو م کرتے ہیں!فاصلے کی بات نہیں پس پھر یا بات؟ کہتے ہیں کہ اوند تبارک و تعالیٰ کمالِ مطلق ، وجودِ بے ر ، ہستی کا لامتناہی مرکز ، وہ علمِ محض ، عین علم

}مشہور فلسفی ام{میر داماد کے الفاظ میں: عِلْمٌ كُلُّهُ وَكُلُّهُ الْعِلْمُ، قُدْرَةٌ كُلُّهُ وَكُلُّهُ الْقُدْرَةُ، حياةٌ كُلُّهُ وَكُلُّهُ الْحَياةُ، اِرادَةٌ كُلُّهُ وَكُلُّهُ الْاِرادَةُ، وہ کمالِ مطلق موجودات جوں جوں اپنے وجود کے واقعی کمالات حاصل کرتے جاتے ہیں اسی قدر ہستی کے مرکز، محور اور قیقت سے واقعاً نزدیک ہوتے چلے جاتے ہیں!یہ نزدیک ا!واقعی نزدیک ا ، سمانی نزدیکی نہیں یکن واقعی اور قیقی نزدیکی ، مجاز اور بیر نہیں }یہ تقرب{ایک انسان کے کسی معاشرتی مقام کے حامل شخص کے مقرب ہو جانے یا ایک بچے کے اپنے باپ کے مقرب ہونے کی قسم سے نہیں ، جو اس معنی میں کہ اسکے لطف کے آثار زیادہ ہیں!نہیں، واقعاً پیغمبر ماری نسبت ا سے زیادہ نزدیک ہیں، قیقتاً امیر المومنین ماری نسبت ا سے زیادہ نزدیک ہیں، اور یہ قرب واقعی قرب

نتیجے میں جہاں ہم عبادت کرتے ہیں، عبودیت انجام دیتے ہیں، اگر واقعاً ماری عبودیت عبودیت ہو، تو ہم قدم بقدم ا کی طرف (حرکت کرتے ہیں)یہاں جو ہم "قدم" کہہ ر ہیں، تو یہ بھی ایک بیر ، یونکہ اس مقام پر یہ کلمات درست نہیں ہیں، ہم "سیر" کہتے ہیں!کیونکہ علی ابن الحسین علیہما السلام جیسے اشخاص نے یں بیر کی ، لہذا

ہم بھی تدبیر کر ر ہیں امام علی ا بن الحسین فرماتے ہیں: اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَجِدُ سُبُلَ الْمَطالِبِ اِلَیْکَ مُشْرَعَةٌ وَ مَناھِلَ الرَّجاءِ لَدَیْکَ مُتْرَعَةٌ وَاَعْلَمُ اَنَّکَ لِلرّاجین بِمَوْضِعِ اِجابَةٍ وَلِلْمَلْھوفینَ بِمَرْصَدِاِغاثَةٍ یہاں تک کہ فرماتے ہیں: وَاَنَّ الرّاحِلَ اِلَیْکَ قَریبُ الْمُسلفَةِبار الہا! جو مسافر تیری طرف حرکت اور کوچ کرتا ، اس کا فاصلہ نزدیک ، ا سے بہت دور کا راستہ طے نہیں کرنا ، اسکی مسانت نزدیک ۔

دنیا ئے تشیع میں عظیم خزانے موجود ہیں، ان میں سے ایک یہ د ائیں ہیں، را کی قسم یہ معرفت کے خزانے ہیں، اگر ہم ا پنے پاس موجود ان د اؤں کے سوا کوئی اور د یل نہ بھی رکھتے ہوں، علی ابن ابیطالب علیہ السلام کی صحیفہ علویہ، امام زین ا لعابدین علیہ السلام کی صحیفہ سجادیہ، یا صحیفہ سجادیہ کے علاوہ اور د ائیں، اگر مارے پاس علی ابن ابیطالب کی د ائے کمیل اور علی ابن الحسین کی د ائے ابوحمزہ ثمالی کے سوا کوئی اورد ا نہ ہو، اور اسلام کے پاس چودہ ریوں میں کوئی اور چیز نہ ہو، تو اسلام کے ان دو شاگردوں کے توسط سے، اس بربریت اور جاہلیت سے پر دنیا میں ان دو آثار کا ظاہر ہونا ہی کافی یہ اس قدر اوج و رفعت کے حامل ہیں کہ اصلاً معجزہ اسکے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔

بہر حال کہتے ہیں کہ، تقرب، تقربِ واقعی ، اور حقیقت اور انسان سچ مچ را سے نزدیک ہو جاتا ۔

را سے اس طرح نزدیک ہونے کے یا معنی ہیں؟

یعنی را جو کمالِ مطلق ، ہم مسلسل زیادہ سے زیادہ کمال حاصل کریں خدا علمِ علی الاطلاق ، مارے علم، ایمان اور بصیرت میں اضافہ ہوتا چلا جائے را قدرت علی الاطلاق ، ماری قدرت میں اضافہ ہوتا چلا جائے را حیات علی الاطلاق ، ماری حیات اور ارادے میں اضافہ ہوتا چلا جائے پس مسلہ عبودیت (اور یہ کہ) بندگی کرو (ایک شا ر کے بقول: بندگی کن تا کہ سلطانت کنند) یا امام جعفر صادق علیہ السلام کے الفاظ میں : اَلْعُبودِیَّةُ جَوْھَرَةٌ کُنْھُھَا الرُّبوبِیَّةُعبودیت کے راستے پر جس قدر آگے بڑھو گے، اتنا ہی تمہاری ربوبیت او راوند ری (نعوذ باللہ رائی نہیں) کے مالک ہونے اور تمہارے تسل اور قدرت میں اضافہ ہوتا چلا جائے عبادت قدرت اور تسل کے صول کا راستہ ۔

اب سوال یہ کہ یہ تسلط کس قسم کا ؟

اس تسلط کو ہم ۔ پانچ مرحلوں (یا ایک اعتبار سے چھے مرحلوں) میں آپ کی خدمت میں واضح کریں گے۔ اگرچہ اس کے وہ آخری مراحل اس قسم کی نشستوں کی حدود سے زیادہ ہیں لیکن چونکہ ہم نے اوّلین مراحل کو تو عرض کر دیا ہے، لہذا آخری مرحلے کی جانب اشارہ کرنے پر بھی مجبور ہیں گزشتہ نشست میں ہم نے اسکے کچھ حصوں کو عرض کیا تھا۔

عبادت کا اوّلین اثر اپنے آپ پر تسلط

عبادت جو انسان کو خدا سے نزدیک کرتی ہے، اُس کا اوّلین اثر (اپنے نفس پر تسلط ہے) یہاں سے آپ سمجھ جائیں کہ کونسی عبادت مقبول ہے، اور کونسی عبادت قبول نہیں۔ ایسی عبادت جو انسان کو خدا سے نزدیک نہ کرے، عبادت نہیں ہے۔ یعنی آپ یقین نہ کیجیے کہ کوئی انسان درست طریقے سے عبادت کرے لیکن خدا سے نزدیک نہ ہو یہ محال ہے۔ عبادت خدا اور اس سے تقرب اور اس سے نزدیک ہونے سے مرکب ہے۔ میری اور آپ کی عبادت اس وقت مقبول ہے، جب وہ ہمیں خدا سے نزدیک کرے۔ اور یہ نہ کیجیے کہ انسان خدا سے، کائنات کے اس لامتناہی مرکز سے نزدیک ہو لیکن اسکی بصیرت، ایمان اور نور میں اضافہ نہ ہو، اسکی قدرت، حیات، ارادے اور اپنے آپ پر تسلط میں اضافہ نہ ہو۔

اوّلین مرحلہ، جو اس بات کو جاننے کی سب سے پہلی علامت ہے کہ ہماری عبادت پروردگار کی بارگاہ میں قبول ہوئی ہے یا نہیں ہمارے عمل کی اجتماعی قدر و قیمت ہے، یعنی کیا؟ یعنی اگر ہم عبادت کریں یہ عبادت (جو ہر بار کی جاتی اور ہر بالخصوص از نماز کے بارے میں زیادہ صادق آتی ہے) کس لیے؟ یہ اس لیے کہ یہ بات ہمیشہ ہمارے ذہن میں رہے کہ ہم بندے ہیں اور ہمارا ایک خدا ہے۔

بسا اوقات بعض افراد سوال کرتے ہیں کہ ہمارے نماز پڑھنے سے خدا کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ خدا کو کیا فائدہ ہے جو ہم نماز پڑھیں؟

دوسرا کہتا   : آپ کہتے ہیں کہ ہم نماز پڑھیں، ٰرا کے سامنے اسکی بندگی کا اظہار کریں، یا ٰرا نہیں جانتا کہ ہم اسکے بندے ویںہم جہ بار بار جا کر اسکی بار ہ میں کھڑے ہوں اور بندگی کا اعلان کریں، تعظیم کریں، خوش آمد کریں، تاکہ ٰرا بھول نہ جائے کہ اُس کا ایسا بندہ ۔ اور اگر ٰرا بھول جاتا ، تو ایسا ٰرا تو ٰرا نہ ہوا آپ جو کہتے ہیں کہ ٰرا کبھی نہیں بھولتا، تو پھر ہم کس لے عبادت کریں؟

نہیں جناب، نماز اس لے نہیں   کہ ٰرا نہ بھول جائے کہ اس کاایسا بندہ موجود ، بلکہ نماز اس لے   کہ بندہ نہ بھول جائے کہ اس کا ٰرا ۔ نماز اس لے   کہ میشہ میں یاد ر کہ ہم بندے ہیںیعنی مارے سر پر ایک دیکھنے والی آنکھ موجود ، مارے دل میں موجود ، پوری کائنات میں موجود ۔ ہم یہ بات نہ بھول جائیں کہ ہم بندے ہیں، لہٰذا ماری خلقت بے کار نہیں ، ہم بندے ہیں، لہٰذا مارے فرائض اور ذمے داریاں ہیںپس جب ہم نماز پڑھتے ویں بار بار اللہ اکبر، لاحول ولا قوۃ بِاللہ، سبحان اللہ کہتے ہیں، اوراپنی عبودیت کا اعلان اور اظہار کرتے ہیں، کہ ہم بندے ہیں، تو یہ اس لیے کہ ٰرا کی یاد میشہ مارے دل میں ر ۔

اِس کا کیا فائدہ ہے؟

اس مرحلے میں اس کا فائدہ یہ کہ میں یاد کہ ہم بندے ہیں، میں یاد کہ مارے فرائض ہیں، میں یاد کہ دنیا میں ٰرا کا قانون موجود اور اس قانون پر عمل ہونا چاہیے، میں یاد رکھنا چاہیے کہ ایک عادلانہ قانون موجود ۔

ابن سینا کا کلام

عظیم اسلامی فلسفی، بو علی سینا نے، اسلام کی روشنی میں کچھ مسائل کا ذکر یا ، اس سے پہلے کسی یونانی اور غیریونانی فلسفی نے ان مسائل کاذکر نہیں یا تھا۔ ان میں سے ایک مسئلہ وہ یہ چھیڑتے ہیں کہ انسان مدنی بالطبع اسکے بعد عبادت کے مسئلے میں داخل ہوتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اجتماعی نکتہ نظر سے (وہ اجتماعی نکتہ نظر سے بھی گفتگو کرتے ہیں اور غیر اجتماعی نکتہ نظر سے بھی) اور انسان کی اجتماعی زندگی کے لے ضروری کہ وہ اپنے ٰرا کو پہچانتا ہو اور اسے پہچاننے کے بعد متوجہ ہو کہ اس

خدا کی جانب سے انسانی زندگی کے لئے ایک عادلانہ قانون موجود ہو اور پھر واجب اور لازم ہو کہ عبادت کا وجود ہو عبادت کو بھی مکرر ہونا چاہیے تاکہ ہمیشہ انسان کو یاد رہے کہ وہ بندہ ہے اور اس کا ایک خدا ہے جب اسکی روح میں یہ یاد دہانی اور تلقین موجود ہو گی، تو یہ اسکے گناہ اور معصیت کا شکار ہونے میں مانع ہو گی جب وہ ظلم کرنا چاہے، تو نماز آ کر اسکی آنکھوں کے سامنے مجسم ہو جائے گی، اور کہے گی کہ تو نے تو عبودیت کا اقرار کیا ہے، تو نے تو کہا ہے کہ میں آزاد نہیں ہوں، (پس یوں ظلم کرنا چاہتا ہے؟)[1] یہاں کونسا قانون پایا جاتا ہے؟ کہتے ہیں: وفرضت علیہم العبادۃ المفروضۃ بالتکریر، عبادت اس لئے واجب کی گئی ہے تاکہ انسان کی روح میں ایک ایسی قوت پیدا ہو، کہ اس قوت کے اثر سے جو ایمان سے تجدید عہد ہے مسلسل اس کے ایمان کی تجدید ہوتی رہے اور یہ ایمان گناہ کرنے میں مانع ہوجائے۔

یہ اس تسلط کا اوّلین درجہ ہے جو اپنے اوپر انسان عبادت کے ذریعے حاصل کرتا ہے اس مرحلے کو ہم نے گزشتہ نشست میں ایک حد تک آپ کی خدمت میں عرض کیا تھا، کہ عبادت کی ایک قطعی خاصیت انسان کا خود اپنے نفس پر تسلط ہے یعنی انسان کا اپنی شہوات پر تسلط، انسان کا اپنی جاہ طلبی پر تسلط، انسان کا اپنی جبلّتوں پر تسلط، انسان کا اپنے اعضا وجوارح پر تسلط، انسان کا اپنی آنکھ پر تسلط، انسان کا اپنی زبان پر تسلط، انسان کا اپنے کان پر تسلط، انسان کا اپنے ہاتھ پر تسلط، انسان کا اپنے پیر پر تسلط، الغرض انسان کا اپنے پورے وجود پر تسلط اگر (یہ خاصیت) نہ ہو (تو ایسی عبادت) عبادت نہیں قرآن کریم کی نص کے مطابق: اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْہٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ اَلْعُبودِیَّۃُ جَوْ ھَرَۃٌ کُنْھُھَاالرُّبوبِیَّۃُ کے ذریعے (میں پتا چل چکا ہے کہ) خداوندی، قدرت و تسلط کا اوّلین مرحلہ، اورلا متناہی قدرت کے مرکز (خدا) سے قربت کی اوّلین علامت، اپنے قوہ، جبلّتوں، شہوات، نفسانی خواہشات پر تسلط اور اپنے اعضا پر غلبہ ہے، ہم خود اپنے آپ پر مسلط ہوں۔

1۔ یہاں کیسٹ میں چند سیکنڈ کی تقریر ریکارڈ نہیں ہوئی ہے۔

یہ مرحلہ، ام افراد کا مرحلہ   ام افراد اگر عبادت کریںَ بھی تو ضروری نہیں کہ انہوں نے انتہائی مشق کی ہو، وہ اس مرحلے پرَ پہنچتے ہیںیہ جو ہم رض کر ر   ہیں کہ "ام افراد" تو اس سے یہ تصور نہ کیجیے   کہ پس ماری اور آپ کی کوئی ذ مے داری نہیں   ، نہیں ماری بہت اہم ذمے داری   ۔

اپنے قوہ خیال پر تسلط

اس مرحلے سے جب ہم گزرجاتے ہیں، تو ایک بالاتر اور ای تر مرحلہ   ، اور وہ اپنے تصورات اور خیالات پر تسلط   یعنیَ ابھی ہم اور آپ جو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، دن کے وقت اپنے کام کاج اور روز ر کے سلسلے میں مشغول ہوتے ہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ مارے تصورات اور خیالات مارے اختیار میں ہیں اور ہم اپنے اوپر حاکم ہیں لیکن ہم اس بات سے واقف نہیں ہوتے کہ ہم پر مارے فکر و خیال کا حکم چلتا (یہاں فکر سے مراد قوہ خیال   ) یعنی کچھ بکھرے ہوئے افکار ہم پر حاکم ہوتے ہیں آپ ایک جلسے میں بیٹھ جائیں، اگر آپ اپنے ذہن کو ایک گھنٹے کے لیے ایک خاص موضوع پر مرکوز کر سکیں اس انداز سے کہ آپ کی قوہ خیال آپ کے قابو سے باہر نہ نکل سکے، تب پتا چلے کہ آپ اپنے فکر و خیال پر مسلط ہیں۔ نماز ز حضورِ قلب کے لیے   حضورِ قلب دراصل   یا؟ یہ حضورِ قلب کا مسئلہ ایک انتہائی عجیب تعبیر   حضورِ قلب، یعنی دل حاضر ہو، غائب نہ ہو یعنی جب آپ نماز پڑھ ر   ہوں اور آپ قبلہ رخ ہوں، تو اپنا جائزہ لیں، دیکھیں کہ آپ کا دل نماز میں حاضر   یا غائب؟ آپ نماز کی ابتدا میں اپنے دل کو دیکھتے ہیں، وہ حاضر ہوجاتا   آپ کا دلَ بھی چاہتا   کہ وہ حاضر ر   جب آپ اللہ اکبر، بسم اللہ الرحمن الرحیم، الحمد للہ رب العالمین کہتے ہیں، تو یکایک آپ دیکھتے ہیں کہ جماعت کا یہ طالبِ علم بھاگ یا   ، آپ نے اوّل سے آخر تک درس دیا   لیکن طالبِ علم کلاس میں نہیں تھاجب ہم نماز پڑھتے ہیں اور الحمد للہ رب العالمین کہتے ہیں، تو ہم اپنے دل کو تفہیم کرانا چاہتے ہیں، اپنی روح کو تلقین کرانا چاہتے ہیں، لیکن جب ہم السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہتے ہیں، تو دیکھتے ہیں کہ یہ مارا جسم، یعنی ماری زبان اور مارے اعضا و جوارح مارے دل کو درس دینے میں مشغول تھے، اور جماعت کا طالبِ علم یہ دل تھا، لیکن افسوس کہ یہاں صورتحال یہ تھی کہ ہم نے درس دیا، جماعت کے طالبِ علم نے ابتدا میں اپنے حاضر ہونے کا اعلان یا اور بعد میں بھاگ یا اور ہم نے درس دیا اور فضول درس دیا۔

ہم سے حضورِ قلب کے لیے کہا گیا ، نماز میں تمہارا دل حاضر رہے ، اب نہ ہو اس بارے میں اب بھی بہت سی باتیں ہیں علی ابن موسی الرضا علیہ السلام کی ایک روایت ، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک حدیث ، اور علما میں سے جس نے سب سے بہتر انداز میں اس نکتے کو بیان کیا وہ شیخ الرئیس بو علی سینا ہیں، وہ عارف کی عبادت کے بارے میں کہتے ہیں:

والعبادة عند العارف رياضةٌ ما لهممه و قواه المتخيلة و المتوهمة ليجرّها با لتعو يد عن جناب الغرور الى جناب القدس(یہ مضمون ہو بہو حدیث کا مضمون ایک درس جو بو علی نے پیغمبر اور ائمہ سے لیا) کہتے ہیں کہ ایک عارف انسان جو عبادت کرتا ہے ، ایک دانا اور شناسا انسان جب عبادت کرتا ہے ، تو عبادت کے دوران ہر چیز سے زیادہ، اپنے قوہ خیال کے تمرکز کو اہمیت دیتا ہے ، تاکہ اسکا ذہن خدا کی طرف متوجہ ہوجائے اور قوہ خیال ہمیشہ حاضر ہو اور اس کلاس سے فرار نہ کرے۔

دل کے لئے پیغمبر اکرم کی تعبیر

دل کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک تعبیر اس قسم کے دل جو ہمارے پاس ہیں، وہ دل جو ہمارے اختیار سے باہر ہیں انتہائی عجیب تعبیر ! پیغمبر اکرم ایک مثل بیان کرتے ہیں، فرماتے ہیں: اِنَّما مَثَلُ هٰذَاالْقَلْبِ كَمَثَلِ ريشَةٍ فى فَلاةٍ مُعَلَّقةٍ عَلٰى شَجَرَةٍ تُقَلِّبُهَاالرِّيحُ ظَهْراً لِبَطْن انسانوں کے دل کی مثل، وہ انسان جن کے دل کی تربیت نہیں ہوئی ، اور اب تک انہوں نے عبادت کی مشق نہیں کی ، ایک پر کی (مثلاً ایک پرندے کے پر کی) مثال اگر آپ ایک پر کو صحرا و بیابان میں، ایک درخت پر ٹکا دیں، اسکے بعد یہ دیکھیں کہ کیا یہ پر ایک حالت میں ٹھہرا رہتا آپ دیکھیں گے کہ وہ مسلسل کبھی اِس طرف اور کبھی اُس طرف ہوتا رہتا ہوا کا ایک انتہائی معمولی جھونکا، جس کے چلنے کا آپ کو احساس بھی نہیں ہوتا، آپ دیکھتے ہیں کہ }اس ہوا کے اثر سے{یہ پر اس شاخ پر حرکت کرنے لگتا ۔ کہتے ہیں بنی آدم کے قلب (جس سے یہاں قوہ خیال مراد) کی مثل، قوہ خیال کی مثل ، جو ایک جگہ نہیں ٹھہرتا، اس شاخ سے اس شاخ پر جاتا رہتا ، انسان کے اختیار سے باہر اس پر کی مثل ، جو بیابان میں ایک شاخ پر آویزاں ہو، جو ایک جگہ نہیں ٹھہرتا مولانا روم اسی مضمون کو شعر میں لائے ہیں:

گفت پیغمبر کہ دل ہمچون پری است

طلاہ‌یابی بہ دست صرصری

یا تمام دل اسی طرح کے ہوتے ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

لازماً آپ کے دل میں خیال پیدا ہو کہ حضرت علی ابن ابیطالب علیہ السلام کا دلَ بھی نعوذ باللہ اسی طرح کا تھانہیں، ایسا نہیں تھانہ صرف علی ابن ابی طالب، بلکہ اُن کے معموں سے شاگرَد بھی اس طرح کے نہیں تھے۔

یا اویس قرنی، عمار یاسر اور کمیل ابن زیادہ نخعی اسی طرح کے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں۔

حتیٰ ان سےَ بھی کم تر لوگوں کو ہم نے دیکھا وہ افراد جنہیں ہم نے اپنے زمانے میں دیکھا ، ان میںَ بھی، ان افراد میں بھی ہم نے بہت دیکھا کہ یہ لوگ اپنے قوہ خیال کے مالک اور اپنے قوہ خیال پر مسلط ہیں۔ یعنی خدا کی عبودیت اور بندگی کے زیر اثر وہ اپنے اندر ایسی قوت پیدا کر سکے ہیں کہ اگر وہ چاہیں کہ مسلسل ایک گھنٹے اپنے ذہن کو ایک نقطے پر مرکوز رکھیں، اس طرح سے کہ اس پورے وقت میں ان کا ذہن ذرہ برابرَ بھی کسی اور نقطے کی طرف متوجہ نہ ہو، تو وہ ایسا کر سکے ہیں یہ خود ایک قدرت اور تسلط ، اور خداوند تبارک و تعالیٰ سے واقعی قرب کے نتیجے میں پیداہوتا اس قسم کی چیز ممکن ۔ بنیادی طور پر ان لوگوں کی اہمیت اسی بنا پر کہ وہ اپنی فکر و خیال پر حاکم ہیں، فکر یعنی خیال ان پر حکومت نہیں کرتا۔ اس قسم کے نکتے کو مولانا روم نے کس قدر اچھا بیان یا ! پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ایک حدیث کہ آپ نے فرمایا: یَنامُ عَیْنی وَلا یَنامُ قَلْبی میری آنکھ سوتی ، لیکن میرا دل بیداررہتا ہمارے برعکس کہ ہماری آنکھ بیدار اور ہمارا دل محو خواب میں

پیغمبر نے فرمایا کہ میں آنکھ سے سوتا ہوں، میرا دل بیدارہوتا فرماتے ہیں:

گفت پیغمبر کہ عینای ینام

لاینام القلب عن رب الانام

چشم تو بیدار و دل رفتہ بہ خواب

چشم من درخواب و دل در فتح باب

حام اندیشه ام محووم نی

چون که بنا حام آمد بربنی

میری اور میرے فکر و خیال کی مثل بنا} معمار{ اور بنا} مارت{ کی سی ، اسے میں نے بنایا ، فکر و خیال نے مجھے نہیں بنایا ۔

من چومرغ او جم اندیشه مگس

کی بود برمن مگس را دسترس

یہ دوسرا (اور ایک اعتبار سے تیسرا) مرحلہ، ان مراحل میں سے کہ انسان تسلط اور قدرت پیدکرتا ہے ۔

روح کا بدن سے بے نیاز ہونا

یا دوسرے مراحل بھی ہیں؟ اگرچہ یہ مراحل ہماری سطحِ فکر اور تصورات سے بلند ہیں لیکن صرف اس بنا پر کہ دور اور بلند ہیں ہمارے لیے یہ عذر نہیں ہوتا کہ ہم انہیں نہ پہچانیں اور ان سے بے خبر رہیں، ایک بالاتر مرحلہ بھی (البتہ یہ خیال نہ کیجیے کہ ان مراحل کے بارے میں ہم گفتگو کر رہے ہیں، وہ امام یا پیغمبر کے مراحل ہیں، امام اور پیغمبر کے مرحلے تک پہنچنے سے پہلے بہت سے مراحل ہیں) انسان پروردگار سے تقرب کے نتیجے میں (اور پروردگار سے تقرب عبودیت، اخلاص، اپنے آپ کو بھول جانا، پروردگار کے مقابل خضوع و تذلل اور اسکے مقابل اطاعتِ محض کا نتیجہ ہے) ایک ایسے مرحلے پر پہنچ جاتا کہ باوجود یہ کہ اس کا بدن روح کا محتاج ہوتا ہے ، اسکی روح بدن سے بے نیاز ہو جاتی ہے ۔

ایسا کیسے وہوتا ؟

اس وقت ماری روح مارے بدن کی محتاج ، اور مارا بدن بھی ماری روح کا محتاج اس وقت اگر وہ روح اوروہ قوہ حیات نہ ہو، تو مارایہ بدن زندہ نہیں ر اگر مارایہ بدن بھی نہ ہو، تو ماری روح بھی یہاں کسی کام کی نہ ر گی، وہ کوئی کام نہیں کر سکے گی۔

یکن یا تمام انسان اسی طرح کے ہیں کہ ان کا بدن بھی روح کی ضرورت رکھتا اور ان کی روح بھی بدن کی محتاج ہوتی ؟یا یہ کہ بعض انسان خدا سے تقرب اور پرورد ر کی عبودیت کے نتیجے میں اس ر تک پہنچ جاتے ہیں کہ م از م ان کی روح ان کے بدن سے بے نیاز ہو جاتی ۔

کیسے بے نیاز ہو جاتی ؟

یعنی وہ یہ قدرت حاصل کرلیتے ہیں کہ بقول روح کو اس بدن سے نکال لیتے ہیں (البتہ یہاں نکالنے کے معنی مرجانا نہیں ہیں) یعنی بدن کے مقابل روح کے استقلال کو محفوظ رکھتے ہیں۔

خود مارے زمانے میں ایسے اشخاص موجود ہیں جو روح کو نکالنے کی قدرت رکھتے ہیںیعنی روح کو بدن سے جدا کرتے ہیں، اس طرح کہ اپنے آپ کو اس بدن پر مسلط دیکھتے ہیں اپنے بدن کو دیکھتے ہیں کہ مثلاً یہاں عبادت میں مشغول اور وہ خود کسی دوسری جگہ کی سیر کر ر ہوتے ہیں ایک وسیع ترین دریچہ اُن کے سامنے کھلاوہوتا شیخ شہاب الدین سہروردی، جو ''شیخ اشراق'' کے نام سے معروف ہیں، اُن کی ایک عبارت کہتے ہیں کہ ہم حکیم کواس وقت تک حکیم نہیں سمجھتے، جب تک اس میں اس بات کی قدرت نہ ہو کہ وہ اپنی روح کو اپنے بدن سے علیحدہ کر لےمیر داماد کہتے ہیں: ہم حکیم کو حکیم صرف اسی وقت سمجھتے ہیں جب بدن کو (روح سے) خالی کرنا اسکے لے ملکہ بن چکا ہویعنی جب بھی وہ ارادہ کرے، اپنی روح کو بدن سے مستقل اور جدا کر سکے۔

مارے لے یہ باتیں انتہائی سنگین اور زیادہ ہیںہم ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتے میں ان پر یقین نہ رکھنے کا حق بھی یونکہ ہم ان مراحل سے بہت دور ہیںلیکن اس بدگمانی اور بے یقینی سے ذرا اوپر اٹھےہم تو نہیں گے ہیں، ہم نے تو عبودیت کے راستے کے اس پہلے ہی مرحلے کو طے نہیں یا ہ تاکہ دیکھ سکیں کہ یا ہمارا کی عبادت کا اتنا اثر بھی وہ ہوتا یا نہیں؟ ہم نے ایک بھی ماہِ رمضان میں، ایک بھی صحیح روزہ نہیں رکھا آپ اسی ماہِ رمضان میں حقیقتاً تجربہ کرکے دیکھے آپ دنیا کے تمام کاموں میں تجربہ کرتے ہیں ایک ماہِ رمضان میں تجربہ کیجیے اور ایک واقعی روزہ، ایسا روزہ جیسا پیغمبر اکرم نے فرمایا اور ائمہ اطہار نے حکم دیا

رکھے یعنی پہلے تو روزے کے ظاہر پر، جو کھانے پینے کی اشیاءاور کچھ دوسری چیزوں کو ترک کرنا ، عمل کیجیے البتہ یہ کام ہم سب کرتے ہیںلیکن وہ روزہ جسے حدیث میں روزہ خاص کہا یا ، اس روزے کو بھی رکھ کر دیکھیں۔یعنی اس ایک ماہ میں، صرف ہمارا دہان روزے سے نہ ہو، بلکہ ہماری زبان بھی روزہ رکھےماہِ رمضان میں کوشش کریں کہ ہماری زبان غیبت نہ کرے، جھوٹ نہ بولے، خواہ یہ جھوٹ اسکے انتہائی فائدے میں ہو،زبان روزہ نہ توڑے، جھوٹ نہ بولے، یونکہ روزہ صرف کھانے سے پرہیز کا نام نہیں

پیغمبراکرم نے فرمایا : رُبَّ صاءِمٍ لاحَظَّ لَهُ اِلَّا الجْوعُ وَالْعَطَشُ بہت سے روزہ دار ایسے ہوتے ہیں، روزے سے ان کے حصے میں سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ نہیں آتا ہماری زبان بیہودہ اور دروغ باتیں نہ بولے، وہ الفاظ جو ہماری دنیوی زندگی یا ہماری آخرت کے لیے ضروری ہوں ان کے سوا کوئی بات نہ بولے ہمارے کان غیبت نہ سنیں، لہو و لعب نہ سنیں، فحش کلامی نہ سنیںہماری آنکھیں دوسروں کی عزت و آبرو پر نہ اٹھیںہمارے ہاتھ خیانت کے لیے دراز نہ ہوںہمارے قدم خیانت اور ظلم کی طرف نہ بڑھیںاسکے مقابل، اس ماہِ رمضان کو اطعام (دوسروں کو کھانا کھلانا) دلجوئی، محبت، احسان اور خدمت گزاری کا مہینہ قرار دیں۔

امتحان کریں، ایک ماہِ رمضان انسان بننے کی کوشش کریں۔ اس وقت آپ دیکھیں گے کہ ایک ماہ بعد، عبادت اور عبودیت اپنا اثر بخشتی یا نہیں، دیکھیں کہ ایک ماہ بعد یہ روزہ آپ کو بدلتا یا نہیں، دیکھیں کہ ایک ماہ بعد یہ روزہ آپ کو ربوبیت یعنی خود مختاری اور تسلط و قدرت دیتا یا نہیں۔ اگر آپ دیکھیں کہ نہیں دیا، تب آپ ان بعد کے مراحل کا انکار کیجیے لیکن اگر آپ دیکھیں کہ نہیں، اس ایک مہینے میں آپ نے اس قدر ربوبیت، خود مختاری، تصاحب، یعنی اپنے نفس پر، اپنی جبلّتوں اور شہوات پر، اپنے اعضا و جوارح پر تسلط حاصل کر لیا، تو پھر یقین کر لیجیے کہ وہ اگلے مراحل بھی ملتے ہیں۔

بدن پر تصرف کی قدرت

کیا اس سے بھی بڑھ کر؟ کیا عبودیت کی یہ سواری انسان کو اس سے زیادہ خدا سے نزدیک کرتی اور کیا انسان کو اس سے زیادہ قدرت والا بنا دیتی ہے؟

جی ہاں، نہ صرف اس کا رابطہ (یعنی انسان کا اپنے بدن سے رابطہ) اس مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ روح بدن سے مستقل ہو جاتی ہے، اور بدن سے اپنی نیاز سلب کر لیتی ہے، اس مرحلے پر جا پہنچتی ہے کہ اپنے بدن پر جو بھی تصرف کرنا چاہتی ہے کر لیتی ہے حتیٰ انسان یہ قدرت بھی حاصل کر لیتا ہے (ہم جانتے ہیں کہ آپ میں سے بعض لوگ شاید اس بات پر دیر سے یقین کریں) کہ ایک گھنٹے تک اپنی حرکتِ قلب کو روک لیتا ہے، اور نہیں مرتا، اس بات کی قدرت حاصل کر لیتا ہے کہ دو گھنٹے سانس نہ لے اور نہیں مرتا، اس بات کی قدرت حاصل کر لیتا ہے کہ اس بدن کے ساتھ طی الارض کرے، ہاں، انسان ایسی قدرت حاصل کر لیتا ہے یہ عبادت کا اثر ہے۔

بیرونی دنیا پر تصرف کی قدرت

یا اس سے بھی بڑھ کر ؟ جی ہاں، اگر آپ و شت کا شکار نہ ہوں، تو اس سے بلند تر بھی وہ بالاتر مرحلہ، وہ قدرت کہ انسان خدا کی بندگی اور عبودیت کے اثر سے اور ذات اقدس الٰہی سے قرب کے اثر سے اور ہستی کے لامتناہی مرکز سے نزدیک ہونے کے زیر اثر پیدا ہوتی ہے۔ باہر کی دنیا میں بھی تصرف کر سکتا وہ ایک عصا کو اژدھے میں بدل سکتا ، وہ چاند کے گولے کو دو حصوں میں تقسیم کر سکتا ، وہ تخت بلقیس کو پلک جھپکتے میں یمن سے فلسطین لا سکتا جس ہاں، کر سکتا

اَلْعُبودِيَّةُ جَوْ هَرَةٌ كُنْهُهَاالرُّبوبِيَّةُ لیکن یہ مراحل ہم سے بہت دور ہیں ہم اپنے ہی مرحلے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں۔

ہم جو آج رات یہاں جمع ہوئے ہیں، قطع نظر اسکے کہ یہ رات احیا کی راتوں میں سے ایک رات ، جسے میں جاگ کر بسر کرنا چاہیے لیکن اس رات کو ایک اعتبار سے ایک برکت و سعادت حاصل ، اور ایک اعتبار سے ایک نحوست اور بدشگونی جیسی نحوست اس اعتبار سے کہ ایسی ہی ایک رات کو ہم علی ابن ابیطالب جیسی ہستی سے محروم ہوئے ہیں، اور برکت و سعادت اس اعتبار سے کہ علی ابن ابیطالب کا جنازہ، ایک امام کا جنازہ نہیں تھا ایک ایسا جنازہ جو واقعاً "مبارک باد" کا حامل جیسے کہ "صعصعۃ بن صوحان عبدی" امیر المومنین کے دفن کی شب، جب امیر المومنین کی قبر کے سرہانے آیا، کھڑا ہوا (وہ اور گنتی کے چند اور امیر المومنین کے خاص ساتھی تھے جنہیں امام حسن مجتبیٰ سلام اللہ علیہ نے اس موقع پر بلایا تھا) اور کہا کہ کیسی اچھی زندگی بسر کی اور کیسی اچھی موت پائی!

آج کی رات احیا کی شب بھی اور وہ رات بھی جو امیر المومنین علی علیہ السلام سے بھی تعلق رکھتی ۔ حضرت علی کو دوسروں کی نسبت کیا خصوصیت اور امتیاز حاصل کہ آپ علی کے اس قدر شیفتہ ہیں؟ علی کی آپ سے کیا رشتہ داری ؟ کوئی نہیں علی کا آپ سے کیا مادّی تعلق ؟ کسی قسم کا مادّی تعلق نہیں علی کا امتیاز اور ان کی خصوصیت کیا ؟ علی کی خصوصیت عبودیت اور بندگی علی خدا کے ایک کامل صالح بندے ہیں ایک ایسے بندے ہیں جو بندگی کے سوا کسی بات کے

۔ بارے میں نہیں سوچتےایک ایسے بندے ہیں کہ ربوبیت اور تسل کے ان تمام مراحل کو، ،ن کے متعلق ہم نے رض یا، علی نے اعلی رتک طے یا ایک ایسے بندے ہیں جو میشہ ،را کو اپنے اعمال پر حاضو ۔ ناظر سمجھتے ہیں۔

مالک اشتر نخعی کو یا اں تحریر یا ! مالک اشتر کو ضرت علی علیہ السلام کا فرمان، جو نہج ابلاغہ میں موجود ، اسلام کے معجزات میں سے ایک معجزہ انسان حیرت زدہ ہواجتا کہ چودہ سو سال پہلے، ایسی نوار اور وشی قوم کے درمیان ایک ایسا عظیم الشان اجتماعی دستور مل (صادوہتا) کہ انسان کو خیال زرگہتا کہ اسے انیسویں اور بیسویں ری میں کچھ فلاسفہ نے بیٹھ کر تحریر یا مجھے نہیں معلوم کہ وہ لوگ جو معجزے کی تلاش میں رہتے ہیں، وہ خیال کرتے ہیں کہ بس معجزہ یہ کہ عصا، اژدھا بن جائےیہ معجزہ عوام کے لے ۔ ام لوگوں کے لے د ائے کمیل، د ائے ابوحزہ ثمالاور مہ نالبت شبانیہ معجزہ ہیں، ملک ارشتکے ۔ نام ضرت علی علیہ السلام کا فرمان معجزہ اس فرمان میں آپ یوں تحریرفرماتے ہیں: مالک ! خیال نکرہ ۰ا کہ اب جبکہ تم مصر گے ہو، تو اب ان لوگوں کے والی اور ان سے برتر ہوگے ہو اور لوگوں کو اپنی ریایا سمجھنے لگوہلذا ایک درندے جھیڑیے کی طرح جو دل چاہ کرتے پھرو نہیں، ایسا نہیں لوگوں کی تقسیم کرتے ہیں: وہ جو مسلمان ہیں، وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور وہ جو مسلمان نہیں ہیں، وہ تمہارے ہم نوع انسان ہیں اسکے بعد آخر میں (ماری گفتگو کا شاہد یہ س) فرماتے ہیں: مالک! فَاِنَّکَ فَوْقَهُم تم اپنی رعیت پہ بالادست بنائے گے ہووہ محوم ہیں اور تم حام یکن وَالِی الاَ مْرِعَلَیْکَ فَوْقَک جس ہستی نے یہ فرمان تمہارے نام تحریر یا اور اس ابلاغ کو تمہارے لے صادر یا ، اور جو میں ہوں، وہ تمہارے اوپر میں تم پر نظر رکھے ہوئےوہ ۔اگر تم نے کوئی غلطی کی، تو تمہیں اسکی سزا دوں وَاللّٰهُ فَوْقَ مَنْ وَلّاکَ[1] اور پروردر اقدس کی ذات اس کے اوپر جس نے تمہیں مصر کے لوگوں کا حام بنایا ،را علی کے اوپر اور علی میشہ اپنے ،را سے خوفزدہ رہتا کہ کہیں کوئی ،طا سرزد نہ ہوجائے۔

۱۔ نہج ابلاغہ مکتوب۵۳

دوسرا مرحلہ، جو خیال اور فکر کے ترکز کا مرحلہ (اس کے تعلق سے) اب اس سے بڑھ کر یا ہو کہ علی نماز میں کھڑے ہوتے ہیں، نرا اور عبادت میں ایسے ڈوب جاتے ہیں کہ وہ تیر جو آپ کے پائے مبارک میں پیوست اور اگر ام حالت میں اسے آپ کے پیر سے نکالیں تو بہت تکلیف دے اور شایب۔ تاب کر دے حالتِ نماز میں آپ کےن سے۔ باہر نکا لتے ہیں اور آپ کو محسوس بھی نہیں وہتا۔

ضرت علی علیہ السلام کوجو عظمت ومنزلت حاصل وہ آپ کی شخصیت کے انی پہلوؤں کی وجہ سے ضرت علی علیہ السلام ایک ایسے مرحلے پر پہنچ چکے ہیں کہ طی الارض اور اس طرح کے مسائل آپ کے لے انتہائی آسان ہیںمیں نے سنا کہ ایک جاہل۔ نادان شخص نے کہا کہ ایک ڈیڑھ میٹر یا دو میٹر کے انسان (یعنی ا یاذ باللہ علی ابن ابیطالب علیہ السلام) کے لیے جواس قدر فضائل اور معجزات بیان کے جاتے ہیں وہ گھڑے ہوئے ہیں ایسے لوگوں کی عقل پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ان لوگوں کا خیال کہ اس قسم کے مسائل کا تعلق انسان کے قد کاٹھ سے لہٰذا ایک ایسا شخص جس کا قد دو میٹر ہو، وہ زیادہ موثر ہوا کرتا اس قسم کے انسانوں کی نظر میں اگر دنیا میں کوئی معجزہ وجود رکھتا تو اسکا تعلق ''اوج بن عنّق'' سے یونکہ وہ عظیم الجثہ تھایہ لوگ انسان کو پہچاننا یوں نہیں چاہتے؟ یوں نرا کو نہیں پہچاننا چاہتے؟ یوں تقربِ الٰی کو نہیں سمجھنا چاہتے؟ یوں عبودیت کے معنی نہیں سمجھنا چاہتے؟ اگر کوئی کہتا کہ ولایتِ تکوینی، یعنی اس نے یہ نہیں کہا کہ نرا نے دنیا کے کام کونعوذ باللہ ایک انسان کے سپرد کر دیا ، اور خود ایک کونے میں جا کر بیٹھ یا ، ایسی چیز محال ولایتِ تکوینی، یعنی بنیادی طور پر عبودیت کا پہلا قدم ولایت یکن درجہ بدرجہ (ولایت یعنی تسلط و قدرت) اس کا پہلا درجہ یہ کہ اس ہاتھ کا مالک ہو جائے، اس آنکھ کا مالک ہو جائے، اس کان کا مالک ہو جائے، اپنے پیر کا مالک ہو جائے، اپنی جبلّتوں کا مالک ہو جائےدوسرا قدم اپنے فکر و خیال کا مالک ہو جائے، اپنے بدن کے مقابل اپنے نفس کا مالک ہو جائےقدم بقدم (آگے بڑھتا)یہاں تک کہ م

توہین پر بھی کچھ تسلی حاصل کر لیتا ہے پھر یہ باتیں نہیں کیا کرتا، یہ باتیں بے شعوری اور بے معرفتی کا نتیجہ ہیں ہمیں علی اس لیے محبوب ہیں اور ہم اس لیے علی کے شیفتہ ہیں کہ یہ بات انسان کی فطرت میں پوشیدہ ہے وہ شخص جو خود اپنے آپ سے بے خود ہو گیا ہے، وہ جس کی دنیا میں اب خودی نہیں پائی جاتی، جو کچھ ہے خدا ہے اور خدا کے سوا کوئی اور چیز اس کی بساط میں نہیں۔

علیؑ بسترِ شہادت پر

آیئے پروردگار کے اس صالح بندے کی عیادت کو چلتے ہیں آج کی رات علی کے بچوں کے لیے، علی کے شیعوں اور دوستوں کے لیے انتہائی پر اضطراب رات ہے۔

کم و بیش بہت سے لوگ سمجھ چکے تھے کہ علیؑ اس مسموم ضربت سے نہیں بچ سکیں گے جیسا کہ آپ نے سنا، علیؑ نے جنگِ خندق میں عمرو بن عبدود سے ایک سخت ضرب کھائی تھی، یہ ضرب علیؑ کے فرقِ نازنین پر پڑی تھی اور سپر کو توڑتی ہوئی امام کے سر میں ایک شگاف کا باعث بنی تھی البتہ ایسی نہ تھی کہ خطرناک ہوتی اور بعد کے مرحلے میں امام نے عمرو کو زمین پر پٹخ دیا تھا یہ زخم صحیح ہو گیا تھا کہتے ہیں کہ اس ازل و ابد کے لعین (ابن ملجم) کی ضربت اسی جگہ پر پڑی تھی، جہاں اس سے پہلے عمرو بن عبدود کی ضربت لگی تھی حضرت علیؑ کے سرِ اقدس میں ایک بڑا شگاف پڑ گیا تھا بہت سے لوگوں کو اب بھی اس بات کی امید تھی کہ علیؑ صحت یاب ہو جائیں گے حضرت علیؑ کے بچوں میں سے ایک، ظاہراً ان کی محترم صاحبزادی امِ کلثوم کی گزرتے ہوئے عبدالرحمن ابن ملجم پر نظر پڑی، انہوں نے کہا: اے ازل و ابد کے لعین! مجھے امید ہے تیری تمنا پوری نہ ہوگی، خدا میرے والد کو شفا عنایت کرے (ابن ملجم) مسکرایا اور کہا کہ میں نے اس تلوار کو ہزار درہم میں خریدا ہے، یہ بہت کارآمد تلوار ہے، اور میں نے اسے زہر میں بجھانے کے ہزار درہم ادا کیے ہیں، میں جانتا ہوں کہ یہ ضربت جو میں نے تمہارے باپ کے سر پر لگائی ہے، اگر اسے تمام انسانوں پر تقسیم کیا جائے، تو سب لوگ مر جائیں گے آپ خاطر جمع رکھے اس بات نے علیؑ کے بچوں کی امید کو بڑی حد تک توڑ دیا کہا کہ طبیب کو بلاؤ ایک شخص جس کا نام ''ہانی بن عمرو سلول'' ہے، ظاہراً یہ شخص (جیسا کہ ایک مرتبہ

میں نے ۔ تاریخ میں پڑھا) ایک ایسا بیب تھا جس نے ''جندی شا پور'' کی یونیور ٹی سے طب کی تعلیم حاصل کی تھی، یہ یونیور ٹی ایران میں تھی اور ایران کے عیسائی اسے چلاتے تھے یہ شخص کوفہ میں مقیم تھا لوگ گئے اور اسے لے کر آئے۔ تاکہ معاینہ کرے، بلکہ ہوسکے تو علاج کرے لکھا کہ اس نے ایک گوسفند یا ایک بکرے کو ذبح کرنے کو کہا اسکے پھیپھڑے سے اس نے ایک رگ باہر نکالی، اس رگ کو گرم گرم اس زخم کی جگہ میں داخل یا، وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس زہر کے آثار کس قدر ہیں، یا جاننا چاہتا تھا کہ یہ کس قدر نفوذ کر یا ، ان ۔ باتوں کو اس سے زیادہ میں نہیں جانتا یکن صرف اس قدر جانتا ہوں کہ تاریخ میں یہ لکھا ۔ یہ شخص اپنی ی آزمائش سے فارغ ہوا، توخاموش بیٹھ یا، کوئی ۔ منہ سے نہ نکالا، صرف اتنا یا کہ امیر المومنین کی طرف رخ کرکے رض یا کہ: اے امیر المومنینؑ ! اگر آپ کی کوئی وصیت تو کر دیجیے یہ وہ مقام جہاں حضرت علیؑ کے گھرانے، علیؑ کے ا زہ اور علیؑ کے شیعوں کی امید ختم ہو گئی۔

علیؑ مہر و محبت اور بغض و عداوت ہردوچیزوں کا مرکز ہیں آپ کے ایسے ایسے محب ہیں جو آپ سے والہانہ محبت کرتے ہیں اور آپ کے دشمن بھی انتہائی شدید ہیں، جیسے عبدالرحمن ابن ملجم اسی طرح آپ کے دوست بھی عجیب و غریب تھے ان دو راتوں اور دنوں میں، حضرت علیؑ کے دوستوں میں ایک ولولہ پایا جاتا تھا، وہ علی کے گھر کے گرد جمع تھے اوروہ سب علیؑ کی عیادت کی اجازت طلب کر ر تھے سب کہہ ر تھے کہ ایک بار میں اپنے مولا کے جمال کے دیدار کی اجازت دے دیجیے یا ممکن کہ ہم ایک مرتبہ پھر علیؑ کی آواز سن سکیں، علیؑ کا رخِ انور دیکھ سکیں؟ ان میں سے ایک ''اصبغ بن نباتہ'' ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ علیؑ کے گھر کے گرد جمع ہیں، مضطرب ہیں اور گریہ و بکا کر ر ہیں، سب داخلے کی اجازت ملنے کے منتظر ہیں یکلخت میں نے دیکھا کہ امام حسنؑ باہر تشریف لائے اور اپنے والد بزرگوار کی طرف سے لوگوں سے ان کی محبت کا شکریہ ادا یا اسکے بعد فرمایا: اے لوگو! میرے والد کی حالت ایسی نہیں کہ آپ ان سے ملاقات کر سکیں والد صاحب نے آپ سے معذرت چاہی اور فرمایا کہ آپ سب اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں، چلے جایے، یہاں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں میرے لیے آپ سے ملاقات ممکن نہیں لوگ چلے گئے میں نے بھی بہت چاہا کہ میں بھی چلا جاؤں یکن نہ جا سکا میرے قدموں میں جانے کی

طاقت ہی نہیں رہی تھیمیں کھڑا رہاامام حسن ؑ ایک مرتبہ پھر تشریف لائےمجھے دیکھا اور کہا: اصبغ یا تم نے نہیں سنا میں نے یا کہا ؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں آقا سنا فرمایا:پھر کیوں نہیں گئے؟ میں نے عرض کیا: میرا دل جانے کو تیار نہیں وہ ہے، میرا دل چاہتا ہے کہ کسی طرح ایک مرتبہ پھر اپنے آقا کی زیارت کرو ںامام تشریف لے گئے اور میرے لیے اجازت حاصل کر لائے میں امیر المومنین کے سرہانے پہنچ گیا میں نے دیکھا کہ امیر المومنین کے سر پر ایک زرد رومال ہے ۔ بازرھا یا میں تعین نہیں کر پا رہا تھا کہ علی کا چہرہ اقدس زیادہ زرد ہے یا وہ رومال۔

بعض نے کہا ہے کہ تلوار کی ضربت اور اس مسمومیت کے مقابل حضرت علی علیہ السلام کے بدن کی وقت مدافعت ایک غیر معمولی بات تھی قاعدتاً علی کو ضربت لگتے ہی دنیا سے رخصت ہوجانا چاہیے تھاان آخری لمحات میں علی کبھی بے ہوش ہو جاتے کبھی ہوش میں آ جاتےجب آپ ہوش میں آتے تو آپ زکی بان مقدس پر ذکر خدا اور وعظ و نصیحت جاری ہو جاتےکیسے کیسے نصائح، کیسے کیسے مواعظ ، کیسی کیسی باتیں۔

اب اس موقع پر علی ؑ کی اولاد کے سوا کوئی علی ؑ کے بستر کے نزدیک نہ تھاکہ مرحوم اصبغ بن نباتہ ؒ ہماراے لیے ایک جملہ نقل کرتے ہیں علی کے بستر کو گھیرے میں لے ہوئے تھےوہ دیکھتے تھے کہ آقا کبھی باتیں کرنے لگتے ہیں اور کبھی بے حال ہو جاتے ہیں ہم نے ایک مرتبہ علی ؑ کی آواز سنی، جیسے آپ کسی سے باتیں کر رہے ہیں فرشتوں کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں:اِرْفَقوا مَلا ءِکَۃَ رَبّی بی میرے خدا کے فرشتو، جومیری روح قبض کرنے کے لے آئے ہو، میرے ساتھ نرمی کا سلوک کرو۔ایک مرتبہ دیکھتے ہیں کہ علی ؑ کی صدا بلند ہوئی: اشْھَدُ اَنْ لا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہُ لاشَریکَ لَہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہُ وَرَسولُہُ اَلرَّفیقُ الْاَعْلیٰ اَلرَّفیقُ الْاَعْلیٰیہ علی کے کلمات تھےمیں خدا کی و حدانیت کی گواہی دیتا ہوں، میں پیغمبر کی رسالت کی شہادت دیتا ہوں}اسکے بعد {جان، جان آفرین کے سپرد کی اور علی ؑ کے رگھسے ۔ نالا و شیون کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ (۱)

۱:-تقریر کے آخری چند سیکنڈ کیسٹ پر ریکارڈ نہیں ہوئے ہیں۔

نماز کی اہمیت

یآ اَیُّھَا الذَ◌ِ◌ّیْنَ اٰمَنُوا ا ذْکُرُ وااللہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا ھ وَّسَبِحُّوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً[1]

ہم اپنے مذہبی مضامین میںُ بعض ایسی چیزیںَ بھی دیکھتے ہیں جو کچھ اذہان میں عبادت کے موضوع پر سوالات پیدا کرتی ہیں۔ مثلاً ازنمکے بارے میں ہم سے کہاجاتا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یا ائمہ اطہار علیہم السلام[2] کا فرمان کہ: اَلصَّلٰوۃُ عَمودُ الدّینِ (نماز دین کا ستون ۔ وسائل الشیعہ ج۳ص ۲۳ح ۱۳) یعنی اگر ہم دین کو ایک نصب شدہ خیمہ سمجھیں، جس میں اس کی چادرَ بھی ، طنابَ بھی، حلقہَ بھی، زمین میں گڑی ہوئی بڑی بڑی کیلیںَ بھی اور ایک ستونَ بھی جس نے اس خیمے کو کھڑا کیا ہوا ، تو نماز اس نصب شدہ خیمے کے ستون کی مانند ۔

حدیث نبوی میں، جو خود رسول کریم سے نقل ہوئی ، خاص طور پر اسی بات کی بالکل اسی طرح وضاحت کی گئی ، جس طرح ہم نے آپ کی خدمت میں عرض کیا ۔

نمازکے بارے میں روایت : اِنَّ قُبِلَتْ قِبُلَ مَاسوِیھا وَانْ رُدَّتْ رُد مَّاسواھامراد یہ کہ انسان کے تمام اعمال کی قبولیت نماز کے قبول ہونے سے مشروط یعنی اگرانسان کوئی نیک عمل انجام دے لیکن نماز نہ پڑھے،یا نماز پڑھے تو سہی لیکن درست نہ پڑھے، ایسی نماز پڑھے،جو بارگاہِ الٰہی میں قبول نہ کی جائے، مسترد کر دی جائے، تو ایسی صورت میں اسکے دوسرے تمام نیک اعمالَ بھی مسترد کر دیے جائیں گےانسان کے تمام نیک اعمال کی قبولیت اسکی نماز کی قبولیت سے وابستہ ۔

ایک اور حدیث میں : اَلصَّلٰوۃُ قُرْبَان کُلِّ تَقّی (نماز ہر متقی کے لئے وسیلہ تقرب نہج البلاغہ کلمات قصار ۱۳۶)اسی طرح ایک اور حدیث میں کہ شیطان اس وقت تک مومن سے دور اوراس سے ناراض رہتا جب تک وہ اپنی نماز کی حفاظت اور اسکی پابندی کرتا ۔

۱:-ایمان والو ! کثرت کے ساتھ اللہ کا ذکر کیا کرواور صبح و شام اسکی تسبیح کیا کرو۔ (سورہ احزاب ۳۳آیت ۴۱، ۴۲)

۲:-چونکہ یہ چیز پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلمات میںَ بھی پائی جاتی اور ائمہ اطہار علیہم السلام کے فرمودات میںَ بھی موجود ۔

احادیث و روایات میں کثرت کے ساتھ اس طرح کی باتیں ملتی ہیں، حتیٰ خود آیاتِ قرآنی سے اس مفہوم یعنی نماز کی غیر معمولی اہمیت کو اخذ کیا جا سکتا ہے۔

اس بارے میں اٹھنے والا ایک سوال جو گاہ بگاہ کچھ لوگوں کی زبان پر آتا ہے، وہ یہ ہے کہ نماز کی اہمیت کے بارے میں اس قدر زیادہ احادیث میں سے کچھ احادیث تو ضرور جعلی ہوں گی، درست نہ ہوں گی، صحیح اور معتبر نہ ہوں گی، پیغمبر یا ائمہ کا اظہار کا کلام نہ ہوں گی؟ ان احادیث کو شاید اس دور میں وضع کیا گیا ہو جس میں عالم اسلام میں زاہد اور عبادت گزار افراد کی کثرت ہو گئی تھی، یہ اس دور کی ساختہ ہوں گی جب (اسلامی دنیا) میں زہد و عبادت کا بازار گرم تھا بالخصوص دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جبکہ زاہد مسلک اور عبادت میں حد سے گزر جانے والے افراد ظاہر ہوئے تھے، جو کم و بیش رہبانیت اختیار کر چکے تھے۔

زاہد اور صوفی نما لوگ

ہم دیکھتے ہیں کہ جس وقت سے دنیائے اسلام میں تصوف نے جنم لیا، اسی دور سے ایسے افراد پیدا ہو گئے تھے جو دیگر اسلامی فرائض و واجبات کو بھلا کر اپنی ساری طاقتیں صرف عبادت اور نماز میں صرف کرتے تھے۔

مثلاً ہم حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں ربیع بن خثیم نامی ایک شخص کو پاتے ہیں، یہ وہی معروف خواجہ ربیع ہیں جن سے منسوب ایک قبر مشہدِ مقدس میں ہے۔ اب میں یہ بات یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ قبر انہی کی ہے یا نہیں، مجھے اس بارے میں خاطر خواہ معلومات نہیں۔ البتہ اس بارے میں شک نہیں کہ یہ "زہادِ ثمانیہ" یعنی دنیائے اسلام کے آٹھ معروف زاہدوں میں سے ایک شمار کیے جاتے ہیں۔

ربیع بن خثیم کے زہد و عبادت کا یہ ام تھا کہ اپنی ر کے آخری دور میں[۱] انہوں نے اپنی قبر کھودی اور وقتاً فوقتاً جا کے اس قبر میں یٹ جایا کرتے اور اپنے آپ کو وع ونصیحت کرتےقبر میں یٹ کراپنے آپ سے کہتے کہ :یہ نہ ر بھلا بیٹھنا کہ ر آخر کار تمہیں یہیں آ نا ۔

جب انہیں اطلاع ملی کہ لوگوں نے فرزندِ رسول سین ابن علی علیہ السلام کو شہید کردیا تو انہوں نے اس ناروا واقعہ پر اظہارِ افسوس کے طور پر صرف اتنا کہا کہ: ''وائے ہو اس امت پر جس نے اپنے پیغمبر کے فرزند کوشہید یا'' اور یہ (اس بیس سال کے رے میں) ذکرِ الٰہی اور اومر اجات کے سوا ان کی ان سے ادا ہونے والا وا ر جملہ تھا۔ کہتے ہیں کہ بعد میں انہوں نے استغفار یا اور پشیمان ہوئے کہ آخر یوں میں یہ چند لفظ زبان پر لایا جو ذکرِ را نہ تھے۔

یہی ربیع بن خثیم، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دورِ خلافت میں، حضرت کی سپاہ میں شامل تھےایک روز امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رض یا: یا اَمیر اَلْمُؤمِنِینَ اَنّا شَکَکْنا فی ھٰذَا الْقِتال[۲]اے امیر المومنین! ہمیں اس جنگ کے بارے میں شک میں نرش کہ کہیں یہ جنگ غیر شرعی نہ ہو۔ (یوں؟ کس وجہ سے؟) اس لے کہ ہم اہل قبلہ (مسلمانوں) کے خلاف برسرِ پیکار ہیں، ہم ایسے لوگوں کے خلاف تلواریں اٹھائے ہوئے ہیں جو ماری ہی مانند شہادتین (کلمہ) پڑھتے ہیں، ماری ہی طرح نماز ادا کرتے ہیں، ماری ہی مثل روبہ قبلہ کھڑے ہوتے ہیں۔

۱:-ربیع، حضرت علی علیہ السلام کے بعد امام سین علیہ السلام کی شہادت کے زمانے تک حیات ر ، یہ تقریباً ۲۰ سال پر محیط رصہ ہےیعنی جس زمانے میں امام سین کو شہید یا یا، یہ زندہ تھے ابوں میں لکھا کہ پورے ۲۰ سال ان کا کام اور عبادت تھا، اور اس رے میں انہوں نے کوئی دنیاوی بات زبان سے ادا نہ کی۔

۲:-ان کے ''انا'' کہنے سے پتا چلتا کہ وہ کچی لوگوں کے نمائندے کی حیثیت سے آئے تھے۔

ایک ایسا شخص جو حضرت علی علیہ السلام جیسی شخصیت کے لشکر میں شامل ہو یکن علی کی دکھائی ہوئی راہ، اور علی کے فرمانِ اجہ کے بارے میں شک و شبے کا شکار ہو، یہ خیال اسکے ذہن میں آئے کہ آپ کا یہ فرمان، یہ حکم درستَ بھی یا نہیں؟ اس موقع پروہ احتیاط پر مل کرے، احتیاط پر بنا رکھےاسی طرح جیسے آج کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم یوں مشکوک روزہ رکھیں؟ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے درمیان یہ بات بہت ام ، وہ کہتے ہیں کہ ہم یوں ایسا روزہ رکھیں جس میں شک ، یہ بھی کوئی مل ہوا؟ یوں ایسی جگہ جنگ کریں جہاں شک ہو؟ میں ایسی جگہ چلنا چاہیے جہاں رکھے جانے والے روزے میں شک نہ ہو۔

ربیع، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے شیعہ تھے اس لیے ان سے جدا بھی نہیں ہونا چاہتے تھے، لہٰذا کہتے ہیں: اے امیر المومنین! برائے کرم میرے سپرد کوئی ایسا کام کیجیے جو شک و شبہے سے پاک ہو۔ مجھے کسی ایسی جگہ، کسی ایسی ڈیوٹی پر بھیج دیجیے جس میں شک نہ ہو امیر المومنین نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا: بہت اچھا، اگر تم شک میں مبتلا ہو تو میں تمہیں ایک دوسری جگہ بھیج دیتا ہوں۔

معلوم نہیں خود انہوں نے اس جگہ جانے کی درخواست کی یا خود امیر المومنین ہی نے فیصلہ کر کے انہیں مملکتِ اسلامی کی سرحدوں میں سے ایک سرحد پر بھیج دیا، وہاں بھی وہ سپاہی کی حیثیت سے تعینات تھے، لیکن یہ ایک ایسی سرحد تھی کہ اگر اتفاق سے وہاں جنگ اور خونریزی کی نوبت آتی بھی تو دوسری طرف کفار یا بت پرست ہوتے، غیر مسلم ہوتے۔

جی ہاں، یہ تھا اس زمانے کے زہاد اور عبادت گزار افراد کا ایک نمونہ۔

ایسا زہد و عبادت کس کام کا؟ کسی کام کا نہیں۔

اس بات کی کیا اہمیت ہے؟

اسلام بصیرت کا تقاضا کرتا ہے عمل بھی طلب کرتا ہے بصیرت بھی یہ شخص (خواجہ ربیع) بصیرت کے حامل نہ تھے انہوں نے معاویہ اور یزید جیسے ظالم کے دور میں زندگی بسر کی دورِ معاویہ جس میں دین میں تبدیلیاں کی گئیں، اس میں بدعتیں ایجاد کی گئیں یزید جو تاریخ اسلام کے بھیانک ترین جرائم کا مرتکب ہوا، اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تر کوششوں اور محنتوں پر پانی پھیر دینے کے درپے ہوا لیکن ایسے دور میں یہ صاحب (خواجہ ربیع) گوشہ نشینی اختیار کر کے شب و روز مسلسل نماز میں مشغول رہتے ہیں، ذکرِ الٰہی کے سوا کوئی کلمہ ان کی زبان سے ادا نہیں ہوتا اور اگر حسین ابن علی علیہ السلام کی شہادت پر اظہارِ تاسف کے لیے ایک جملہ ان کی زبان سے نکل بھی جاتا ہے، تو بعد میں اپنے اس عمل پر پشیمان ہوتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ

تو دنیوی بات ہو گی، میں نے اس کی بجائے سبحان اللہ، الحمد للہ، یوں نہ کہا؟ اسکی جگہ یا حی یا قیوم یوں نہ کہا؟ اللہ اکبر اور لاحول ولا قوۃ الا باللہ یوں نہ پڑھا؟

یہ طرز عمل اسلامی تعلیمات سے موافق نہیں لایُرَی الجاھِلُ اِلاّمُفْرِطاًاَوْ مُفَرَّطاً (جاہل کو نہ پاؤ گے مگر یا حد سے بڑھا ہوا اور یا اس سے بہت پیچھے نہج البلاغہ کلمات قصار ۲۶) جاہل یا تو بہت آگے بڑھ جاتا ہے یا بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔

دین کے بارے میں ایک غلط تصور

ایک گروہ کا کہنا ہے کہ: الصلوۃ عمود الدین (نماز دین کا ستون ہے) والی بات کسی بھی طرح اسلامی تعلیمات سے موافق نہیں ہے۔ کیونکہ دین اسلام تو سب چیزوں سے زیادہ اجتماعی مسائل کو اہمیت دیتا ہے۔ اسلام تو اِنّ اللہ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالِاْحْسَانِ[1] کا دین ہے۔ اسلام تو لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنَات وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتابَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ[2] کا دین ہے۔ اسلام تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دین ہے: کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ اُخْرِ جَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْھَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ[3] اسلام جہد مسلسل اور کوشش اور عمل کا دین ہے۔ اسلام ایک عظیم دین ہے۔

۱:-بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے (سورہ نحل ۱۶آیت ۹۰)

۲:-بے شک ہم نے اپنے رسولوں کو واضح دلائل کے ساتھ بھیجا ہے اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان کو نازل کیا ہے، تاکہ لوگ انصاف کے ساتھ قیام کریں(سورہ حدید ۵۷آیت ۲۵)

۳:-تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کے لیے منظر عام پر لایا گیا ہے تم لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیتے ہو اوربرائیوں سے روکتے ہو(سورہ آل عمران ۳آیت ۱۱۰)

ایک ایسا دین جو مذکورہ مسائل کو اتنی ا میت دیتا ، کیسے ممکن کہ وہ عبادت کے لے اتنی زیادہ ا میت کا قائل ہو؟ نہیں، دین اسلام میں عبادت کے مسلے کو اتنی زیادہ ا میت حاصل نہیں ہمیں اسلام کی اخلاقی اور اجتماعی تعلیمات کے نفاذ کے لیے کوشش کرنی چاہیے عبادت بے کار لوگوں کا مشغلہ جنہیں کوئی اہم ترین کام نہ ہو وہ نماز پڑھیں، وہ عبادت کریں لیکن ایک ایسا شخص جس کے سامنے اہم ترین کام ہوں اسکے لے لازم نہیں کہ وہ عبادت بجا لائے۔

یہ بھی ایک غلط فکر اور انتہائی انتہائی زطہ نا کا اسلام کو اس طرح سمجھنا چاہیے، جیسا کہ وہ ۔

میرے ان رائض کی وجہ یہ کہ ان چیزوں کو میں اپنے معاشرے میں ایک بیماری کی صورت میں محسوس کر رہا ہوں انتہائی افسوس کی بات کہ اس وقت مارے معاشرے میں جو لوگ اسلام کا نعرہ بلند کر رہے ہیں ان میں سے اکثر (البتہ سب کو نہیں کہتا) دو گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں ایک گروہ ربیع بن خثیم جیسے طرزِ فکر کا حامل ، خواجہ ربیع کی طرح سوچتا ایسے لوگوں کے نزدیک ''اسلام'' ذکر و دعا کرنے، نوافل پڑھ لینے، زیارات پر جانے اور زیارتِ عاشورہ کی قرآت کا نام ایسے افراد کے نزدیک اسلام کے معنی مفاتیح اور زاد المعاد (دعاؤں کی دو معروف کتابیں)ان کا پورا کا پورا اسلام مفاتیح الجنان میں سمٹ آیا اسکے سوا ان کے نزدیک کسی اور چیز کا وجود ہی نہیں، یہ لوگ بالکل ربیع بن خثیم کی سی سوچ رکھتے ہیں انہیں دنیا سے کوئی سروکار ہی نہیں، مسائل حیات سے کوئی غرض ہی نہیں، اسلام کی اجتماعی تعلیمات سے کوئی مطلب نہیں، اسلامی اصول و ارکان سے کوئی لگاؤ نہیں، اسلامی تربیت سے کوئی واسطہ نہیں انہیں سرے سے کسی بھی چیز سے مطلب نہیں۔

ان لوگوں کی تفریط کے ردِ عمل میں ایک افراطی طبقہ پیدا ہوا یہ طبقہ اسلام کے اجتماعی مسائل کو ا میت دیتا ، ان کے بارے میں حساسیت کا اظہار بھی کرتا اس پہلو سے یہ لوگ قابل قدر ہیں لیکن ان لوگوں میں سے کچھ کو بعض اوقات میں دیکھتا ہوں کہ مثلاً مستطیع ہونے کے باوجود حج کو نہیں جاتے یہ شخص جو واقعاً مسلمانوں سے، حقیقتاً اسلام سے لگاؤ رکھتا ، اسکا دل اسلام کے لے دھڑکتا ، لیکن مستطیع ہوتے ہوئے بھی حج کو نہیں جاتا، اس کی نظر میں حج کی کوئی ا میت ہی نہیں، تقلید ضروری لیکن اسے ا میت نہیں دیتا حالانکہ تقلید ایک واجب بات ۔

تقلید کسے کہتے ہیں ؟

کہاجاتا ہے کہ یا تو آپ، نماز روزہ جیسی چیزوں کے مسائل کو (مصادرِ شرع سے) براہِ راست خود اخذ کیجئے یعنی اس میدان میں اس قدر ماہر ہو جایئے کہ اس مہارت کے بل بوتے پر خود استنباط کر سکیں۔ یا پھر یہ کہ احتیاط پر عمل کیجئے، جو ایک خاصا دشوار کام ہے یا پھرایک ماہر جامع الشرائط عادل شخص کاانتخاب کیجئے اور جس طرح ایک ماہر طبیب سے رجوع کر کے اسکے بتائے ہوئے پر عمل کرتے ہیں اسی طرح اس کی رائے پر عمل کیجئے انسان بغیر تقلید کے رہ ہی نہیں سکتا یعنی اگر وہ تقلید نہ کرے تو اپنے آپ کو بہت زیادہ مشکل میں ڈال لیتا ہے۔

اسی طرح بعض لوگ روزے کو اہمیت نہیں دیتے اگر کسی سفر کی وجہ سے ان کا روزہ قضا ہو جائے تو اس قضا کو ادا نہیں کرتے یہ لوگ بھی اپنے آپ کو ایک کامل مسلمان سمجھتے ہیں وہ اول الذکر گروہ بھی خود کو کامل مسلمان سمجھتا ہے ، جبکہ نہ یہ کامل مسلمان ہیں نہ وہ۔

دین اسلام نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ[1] سے اتفاق نہیں کرتا یہ نہیں ہوسکتا کہ انسان اسلامی عبادات کو تو اپنائے لیکن اسکے معاشرتی اور اخلاقی قوانین کو نہ لے، اسکے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اختیار نہ کرے اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ انسان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو لے لے، اور اسلامی عبادات کوچھوڑ دے۔

قرآنِ مجید جہاں کہیں بھی اقیموا الصلاۃ کہتا ہے ، اسکے فورا بعد آتوالزکاۃ کہتا ہے اگر اقاموا الصلاۃ کہتا ہے تو اسکے بعد آتی الزکاۃ کہتا ہے جب یقیمون الصلاۃ کہتا ہے تو اسکے بعد یوتون الزکاۃ کہتا ہے یقیمون الصلاۃ کا تعلق بندے اور خدا کے درمیان رشتے سے ہے اور یوتون الزکاۃ کا ربط بندگانِ خدا کے آپس کے تعلقات سے ہے۔

ا:-ہم بعض چیزوں پر ایمان لائیں گے اور بعض چیزوں کا انکار کریں گے(سورہ نسا ۴ آیت ۱۵۰)

جس طرح ایک مردِ مسلمان کو اپنے اور اپنے رب کے درمیان ایک مستقل اور مسلسل رابطے کی ضرورت اسی طرح اسکے لے ضروری کہ اپنے اور اپنے معاشرے کے درمیان بھی ایک مستقل اور مسلسل رابطہ قام رکھے۔

بغیر عبادت کئے، بغیر ذکرِ الٰہی کئے، بغیر یادِ خدا کئے، بغیر مناجات کئے، بغیر حضورِ قلب کئے، بغیر نماز کئے، بغیر روزے کے ایک اسلامی معاشرہ تشکیل نہیں پاسکتا، حتیٰ خود انسان بھی سالم نہیں رہ سکتا۔

اسی طرح بغیر ایک سالم معاشرے کئے، بغیر ایک سالم ماحول کئے، بغیر امر بالمعروف کئے، بغیر نہی عن المنکر کئے، بغیر مسلمانوں سے پیار و محبت کے اور بغیر دوسروں کی مدد اور ان کے ساتھ تعاون کے انسان ایک اچھا عبادت گزار بندہ نہیں بن سکتا۔

علیؑ ایک جامع الصفات ہستی

آپ اگر حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی حیات پر ایک سرسری سی نگاہ بھی ڈالیں تو پتا چل جاتا کہ آپ ایک عابد بلکہ دنیا کے اوّلین درجے کے عابد ہیں یہاں تک کہ آپ کی عبادت تمام عالم میں ضرب المثل بن جاتی عبادت بھی ایسی کہ جو خم و راست ہونا نہیں، (بے روح رکوع و سجود نہیں) بلکہ ایسی عبادت جو اوّل سے آخر تک جذبات سے، ولولے سے، شوق سے، گریہ و زاری سے بریز ۔

حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد ''ضرار'' نامی ایک شخص کی معاویہ سے ملاقات ہوتی معاویہ کو معلوم تھا کہ ''ضرار'' حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ہیں چنانچہ فرمائش کی: تم علی کے ساتھ ہوا کرتے تھے، میرے سامنے ان کے فضائل بیان کرو خود معاویہ اچھی طرح حضرت علی سے واقف تھے لیکن باوجود وہ دوسروں سے ان کے بارے میں سننا پسند کرتے تھے کیونکہ وہ دل کی گہرائیوں سے حضرت علی کی عظمت کے قائل تھے، حالانکہ یہی تھے جنہوں نے حضرت علی کے خلاف تلوار تک اٹھائی تھی۔

انسان ایسا ہی موجود !! وہ علی کے عقیدتمند بھی تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے حضرت علی کے خلاف ہر بری اقدامات میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

''ضرار'' نے معاویہ کے سامنے اپنا ایک مشاہدہ نقل کیا کہا: میں نے ایک رات علی کو محرابِ عبادت میں دیکھا : يَتَمَلْمَلَ تَمَلْمَلَ السَّلِيمِ وَيَبْكی بَكاءَ الْحَزِينِ یعنی آپ محرابِ عبادت میں خوفِ خدا سے، ایک ایسے شخص کی مانند تڑپ رہے تھے جسے سانپ نے کاٹ لیا ہو غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے ایک انسان کی مانند گریہ و زاری میں مشغول تھے، سرد آہیں بھرتے تھے، آتش جہنم سے لرزاں آہ آہ کرتے تھے مولائے کائنات کی یہ کیفیت سن کر معاویہ کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں ہو گئے۔

اسی طرح جب حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے بعد ایک موقع پر معاویہ اور عدی بن حاتم کی ملاقات ہوئی تو معاویہ نے عدی بن حاتم کو حضرت علی کے خلاف بھڑکانا چاہا عدی سے کہا: این الطرفات؟ طریف، طرفہ اور طارف کیا ہوئے؟ [1]

حضرت عدی بن حاتم نے جواب دیا: وہ سب صفین میں علی کی رکاب میں شہید ہو گئے۔

معاویہ نے کہا: علی نے تیرے ساتھ نا انصافی کی، اپنے بچوں حسن اور حسین کو تو پیچھے رکھا اور تیرے بچوں کو آگے کر کے موت کے منہ میں دھکیل دیا۔

حضرت عدی بن حاتم نے جواب دیا: حقیقت تو یہ ہے کہ میں نے علی کے ساتھ ناانصافی کی اگر میں انصاف کرتا تو آج میں زندہ اور علی زیرِ خاک نہ ہوتے۔

معاویہ نے جب اپنا نشانہ خطا جاتے دیکھا تو عدی سے کہا: اے عدی ! میرا دل چاہتا ہے کہ تم مجھے علی کے بارے میں کچھ بتاؤ عدی بن حاتم نے تفصیل کے ساتھ حضرت علی کے اوصاف بیان کیے وہ کہتے ہیں کہ آخر میں، میں نے دیکھا کہ معاویہ زار و قطار رو رہے ہیں اسکے بعد انہوں نے آستین سے اپنے آنسو صاف کیے اور کہا : افسوس کہ زمانہ علی کی مانند انسان جننے سے بانجھ ہے۔

ا:- حضرت عدی بن حاتم کے تین فرزند تھے، جن کے نام طریف، طرفہ اورطارف تھےان کے ان تینوں فرزندوں نے حضرت علی علیہ السلام کی رکاب میں جنگ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تھامعاویہ عدی بن حاتم کے جذبات بھڑکانا چاہتے تھےلہذا ان کے زخموں پر نمک پاشی کی تاکہ ان کے منہ سے حضرت علی کے خلاف ایک بات ہی نکلوا سکیں۔

دیکھئے حقیقت کیسے جلوہ گر ہوتی ہے؟

یہ تو تھی حضرت علی علیہ السلام کی عبادت، لیکن کیا علی صرف اہل محراب تھے، محراب کے سوا کہیں اور نظر نہ آتے تھے؟

ہم حضرت علی علیہ السلام کی زندگی کے ایک اور رخ کا جائزہ لیتے ہیں (اور وہ آپ کی حیاتِ اجتماعی سے تعلق رکھتا ہے) آپ ہر لحاظ سے ایک اجتماعی ترین فرد تھے، ضرورت مندوں، بے کسوں، مسکینوں اور لاچاروں کے حالات سے واقف ترین فرد تھے خلیفہ ہونے کے باوجود آپ دن کے وقت اپنا درہ یعنی کوڑا کاندھے پر لٹکائے، بنفس نفیس لوگوں کے درمیان گشت فرماتے تھے ان کے معاملات کا جائزہ لیتے تھے جب تاجروں کے پاس پہنچتے تو فرماتے: اَلْفَقْهَ ثُمَّ اَلْمَتْجَر (۲) جاؤ پہلے تجارت کے مسائل سیکھو، اسکے شرعی احکام کی تعلیم حاصل کرو، اسکے بعد آ کے تجارت کرو۔ احرام خرید و فروخت نہ کرو، سودی معاملہ نہ کرو۔

اگر کسی کو تاخیر سے اپنے کام پر جاتے دیکھتے تو فرماتے اُغْدوا اِلٰی عِزِّکُمْ ایک انتہائی عبادت گزار فرد ہونے کے ساتھ ساتھ آپ میں یہ خصوصیت بھی تھی پہلی مرتبہ میں نے مذکورہ حدیث مرحوم آیت اللہ العظمیٰ بروجردی علیہ الرحمہ کی زبانی سنی تھی ایک مرتبہ ایک گداگر، آقائے بروجردی کے یہاں آ کے ان کے سر ہو گیا، اور کچھ طلب کرنے لگا انہوں نے اس پر نگاہ ڈالی، دیکھا تو محسوس کیا کہ یہ شخص محنت مزدوری کر سکتا ہے لیکن گداگری کو اس نے اپنا پیشہ بنا لیا ہے لہذا انہوں نے اسے نصیحت کی اور بہت سی دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ حضرت علی علیہ السلام کا یہ جملہ بھی فرمایا: کہا کہ امیر المومنین لوگوں سے فرماتے تھے:

اُغْدوا اِلیٰ عِزِّکُمْ (۳)

علی الصبح اپنی عزت و شرف کی طرف روانہ ہوا کرو۔

۲:۔وسائل الشیعہ ج ۱۲ص ۲۸۲ح ۱

۳:۔وسائل الشیعہ ج ۱۲۔ ص ۴۔ ح ۱۰

یعنی اپنے کام، محنت مزدوری اور صول روز ر کی طرف جایا کروانسان اس وقت زیز وسربلند جب وہ خود اکتا ہو، پنی معاش کا بندوبست وذ کرے۔ ا ہو محنت مزدوری زت ، شرافت ۔

اسے کہتے ہیں حقیقی مثالی مسلمان۔

آپ عبادت کے میدان میں سرِ فہرست عبادت گزار ہیں جب قضاوت کی مسند پر جلوہ افروز ہوتے ہیں تو ایک اول قاضی ہیں، ذرہ برابر بے انصافی نہیں کرتے جب میدانِ جنگ کا رخ کرتے ہیں تو ایک بہادر سپاہی اور شجاع سپاہ سالار ہیں، ایک اول در جے کے کمانڈر ہیں، خود فرماتے ہیں: میں نے ابتدائے شباب ہی سے جنگ کی ، جنگ کا تجربہ رکھتا ہوں اور جب آپ خطابت کی کرسی پر تشریف فرما ہوتے ہیں تو اوّل درجے کے خطیب ہیں جب تدریس کی ذمے داری سنبھالتے ہیں تو اوّل درجے کے معلّم و مدرس ہیں۔

ہر ایک شخصیت میں آپ کا یہی حال یہ ہیں اسلام کا نمونہ کامل۔

اسلام کسی صورت نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ کو قبول نہیں کرتا۔ لہٰذا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہم اسلام کے اِس ایک پہلو کو تو مانیں گے یکن اس کے اس دوسرے پہلو کا انکار کریں گے دنیائے اسلام میں پیدا ہونے والے انحراف کا نقطہ آغاز یہی اگر ہم اسلام کے کسی ایک پہلو کو لے لیں یکن اسکے دوسرے پہلوؤں کو چھوڑ دیں تو اس طرح ہر چیز میں خرابی اور بگاڑ پیدا کر بیٹھیں گے۔

جس طرح گزشتہ ادوار میں ہمارے بہت سے زاہد پیشہ افراد کی روش غلط تھی، ایسے لوگوں کی روش غلط تھی جو پورے اسلام کو مثلاً مفاتیح الجنان میں منحصر سمجھتے ہیں، (دعاؤں کی ایک کتاب) بیاض میں محدود کر دیتے ہیں، اسی طرح ایسے لوگوں کی روش بھی غلط جو دعا، عبادت، نوافل اور فرائض کو یکسر چھوڑ بیٹھتے ہیں اور اسلام کے صرف اجتماعی مسائل کے بارے میں توجہ چاہتے ہیں۔

مردِ مسلمان کی بعض نمایاں صفات

سورہ مبارکہ الفتح میں ارشاد الٰہی ہے: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ وَالَّذِيْنَ مَعَه، اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کفار کے لیے سخت ترین اور آپس میں انتہائی رحم دل ہیں سورہ فتح ۴۸ آیت ۲۹)

اس آیت میں ایک اسلامی معاشرے کی تصویر کشی کی گئی ہے سب سے پہلے جس مسئلے کا ذکر کیا گیا وہ پیغمبر کی معیت اور ان پر ایمان ہے، اسکے بعد اشداء علی الکفار یعنی دشمنوں کے مقابلے میں سخت ترین، قوی اور طاقتور ہونے کا ذکر ہے۔

پس وہ خشک مقدس نما لوگ جو مسجد میں ڈیرہ جمائے رہتے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں ہونے کے باوجود صرف ایک سپاہی کی للکار پر دم سادھ لیتے ہیں اور چوں بھی نہیں کرتے، وہ مسلمان نہیں۔

قرآن کریم نے مسلمان کی ایک خصوصیت، بلکہ اولین خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ وہ دشمن کے بالمقابل سخت، پائیدار اور ثابت قدم ہوتا ہے اسلام سست اور کمزور مسلمان کو پسند نہیں کرتا: وَلاَ تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَ عْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (خبردار سستی نہ کرنا مصائب پر محزون نہ ہونا، اگر تم صاحبِ ایمان ہو تو سر بلندی تمہارے ہی لیے ہے سورہ آل عمران ۳ آیت ۱۳۹)۔

اسلام میں سستی اور کمزوری کی کوئی گنجائش نہیں ویل ڈیورنٹ کتاب "تاریخ تمدن" میں کہتا ہے: کسی اور دین نے اپنے ماننے والوں کو قوت و طاقت کے حصول کی ایسی دعوت نہیں دی، جتنی اس سلسلے میں اسلام نے دعوت دی ہے۔

گردن ڈالے رکھنا، گوشۂ لب سے رال ٹپکنا، گریبان (collar) کا ایک طرف ڈھلکا ہونا، اسکا گندہ ہونا، خود کو غریب و لاچار ظاہر کرنا، زمین پر پیر گھسیٹ کر چلنا، عبا سر پر ڈال لینا، یہ سب چیزیں اسلامی تعلیمات کے برعکس ہیں یوں ہی بلا وجہ آہیں بھرنا اسلام کے خلاف ہے۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّث (اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کو مسلسل بیان کرتے رہنا سورہ ضحیٰ ۹۳ آیت ۱۱)

خدا نے آپ کو صحت دی ہے، جسمانی سلامتی دی ہے، قوت عطا کی ہے، طاقت وتوانائی سے نوازا ہے آپ اپنی کمر سیدھی رکھ سکتے ہیں تو کیوں بلاوجہ اسے جھکاتے ہیں؟ آپ اپنی گردن سیدھی رکھ سکتے ہیں، کیوں بغیر کسی وجہ کے اسے ایک جانب جھکائے رکھتے ہیں؟ کیوں بے وجہ آہ و نالہ بلند کرتے ہیں؟ آہ و نالہ تو انسان تکلیف کی حالت میں بلند کرتا ہے خدا نے آپ کو کسی درد اور تکلیف میں مبتلا نہیں کیا ہے، تو پھر کیوں آپ آہیں بھرتے ہیں؟ یہ تو نعمتِ الٰہی کا کفران ہے کیا حضرت علی علیہ السلام بھی اسی طرح راستہ چلتے تھے جیسے ہم اور آپ چلتے ہیں؟ کیا علی اسی طرح عبا سر پر ڈالتے تھے اور اسی طرح ٹیڑھے ٹیڑھے چلتے ہوئے راستہ طے کرتے تھے؟ [1]ان چیزوں کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

اشداء علی الکفار یعنی بے دینوں کے مقابل سخت ترین، پکے اور مضبوط، جیسے سدِ سکندری۔

(ایک مردِ مسلم کو) حلقۂ یاراں میں، مسلمانوں کے ساتھ، کس طرح ہونا چاہیے؟ رحماء بینھم یعنی آپس میں مہربان، گہرے دوست(ایک دوسرے کے ساتھ ریشم کی طرح نرم ہونا چاہیے)۔

(اسکے بر خلاف) جب ہم اپنے بعض مقدس نما لوگوں سے ملتے ہیں، ان کے یہاں جاتے ہیں تو جو چیز ہمیں ان میں نظر نہیں آتی وہ دین اخلاص اور مہربانی ہے ہمیشہ ان کی تیوریوں پر بل پڑے رہتے ہیں، بداخلاق اور ترش رو ہیں کسی کے ساتھ گرم جوشی سے پیش نہیں آتے، کسی سے ہنس کے نہیں ملتے، دنیا کے ہر انسان برا سان رکھتے ہیں ایسے لوگ مسلمان نہیں، یہ لوگ خود کو اسلام سے وابستہ ظاہر کرتے ہیں۔

۱۔شہید مطہری نے ان سطور میں اپنے دور کے بعض علما نما افراد کی تصویر کشی کی ہے (مترجم)

یہ تھی (ایک مسلمان میں پائی جانے والی) دوسری نصو یتکیا۔ن کافی ؟

یا مسلمان ہونے کے لیے۔ن کافی کہ انسان کفار کے ساتھ سختی سے پیش آئے اوراہل اسلام سےرمہ بانی اور پیارو محبت کا رویہ اپناؤکرے؟ ۔ ۔ جی نہیں: تَرَاهُمْ رُكَّعاً سُجَّداً يَّبْتَغُوْنَ فَضْلاً مِّنَ اللهِ وَرِضْوَاناً (تم انہیں دیکھو گے کہ بارہ ا ریت میں سر جھکائے ہوئے سجدہ ریز ہیں اور اپنے پروردگ ر سے فضل و کرم اور اسکی خوشنودی کے طلبگار ہیں سورہ فتح ۴۸آیت ۲۹)

وہ شخص جو بے نوں یلیے سخت دل اور اپنوں کے لیے مشفق ورمہ بان ، اسی فرد کو جب محرابِ عبادت میں دیکھو گے تو رکوع و سجود، د ا و ادعیت اور مہ اجات میں مشغول پاؤ گے رکعاً و سجداً اسکی عبادت ، یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا اسکی د ا ۔

البتہ ہم د ا اور عبادت کے درمیان ر بندی کے قائل نہیں ہیں ہند ا عبادت اور عبادتَ بھی د ا یکن کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک مل ہے اور ہے خاص د ا ہوتا ہے یعنی ایک ایسی عبادت ہوتی جو صرف د ا پر مشتمل یکن کچھ عبادات ایسی ہیں جن میں د ا اور د ا کے علاوہ دوسری چیزیںَ بھی پائی جاتی ہیں، جیسے نمازاسی طرح اور عبادات ہیں جو بنیادی طور پر د ا نہیں، جیسے روزہ۔

سِيْمَا هُمْ فِيْ وُجُوهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (سجدوں کی کثرت کی وجہ سے ان کے چہروں پر انکے نشان پائے جاتے ہیں)یہ لوگ اتنے زیادہ عبادت گزار ہیں کہ ادعیت کے آثار، تقوی کے آثار، خدا پر تی کے آثار ان کے چہروں سے عیاں ہیں ان کو دیکھنے والا ہر شخص ان کے وجود میں خدا کی معرفت اور خدا کی یاد کا لحاظ کرتا ، اور انہیں دیکھ کر یادِ خدا میں ڈوب جاتا ۔

شایدرسول ِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے منقول ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ان سے سوال کیا : یا روحَ اللہ ! مَنْ نُجَالِسَ؟ (اے روح اللہ ! ہم کس قسم کے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھیں؟) حضرت عیسیٰ نے فرمایا: مَنْ یُذَکِّرُکُمُ اللہَ رَؤْیَتَهُ وَیَزیدُ فی عِلْمِکُمْ مَنْطِقُهُ وَیرغَبُکُمْ فيِ الْخَیْرِ عَمَلُهُ[۲](ایسے شخص کے ساتھ میل جول رکھو جسے دیکھ کر خدا کی یاد میں ڈوب جاؤ)، اسکی شکل و صورت پر، اسکے چہرے مہرے پر خدا ترسی کو دیکھوعلاوہ ازیں یزید فی علمکم منطقه (جب وہ بات کرے تو اسکی باتوں سے استفادہ کرو، اسکی گفتگو تمہارے علم میں اضافہ کرے) یرغبکم فی الخیر عملہ (اسکا کردار دیکھ کر، تمہارے اندر بھی نیک کاموں کا شوق پیدا ہو)

آگے چل کر آیت کہتی ہے :

:ذٰلِکَ مَثَلُهُمْ فِی التّوِرٰه وَ مَثَلُهُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَه، فَاٰزَ رَه، فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِه یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِهِمُ الْکُفَّارَ

یہ ان کی مثال توریت میں ہے اور یہی ان کی صفت انجیل میں ہے جیسے کوئی کھیتی ہو جو پہلے سوئی نکالے، پھر اسے مضبوط بنائے، پھر وہ موٹی ہو جائے اور پھر اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائے کہ کاشتکاروں کو خوش کرنے لگے تاکہ ان کے ذریعے کفار کوجلایا جائےسورہ فتح ۴۸آیت ۲۹

توریت و انجیل میں ان کی یہی صفت بیان کی گئی ہے، ایک ایسی امت کے وجود میں آنے کی بات کی گئی ہے ان کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے، اس انداز میں توصیف کی گئی ہے ان کی مثال ایک زراعت کی مثال ہے، عدم کے ایک دانے کی مانند ہیں جسے زمین میں بویاجاتا ہے اور چونکہ یہ دانہ زندہ ہوتا ہے اس لئے ایک باریک پتی کی صورت میں اپنا سر زمین سے باہر نکالتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ وہ ایک سخت پتے کی صورت اختیار کر لیتا ہے،

۲:۔اصول کافی ج ۱ باب مجالسۃ العلماء و صحبتہم۔

اس میں مضبوطی اور استحکام آجاتا اور پھر رفتہ رفتہ ایک موٹی ڈال بن جاتا اسکے بعد خود اپنے قدموں پر کھڑا ہو جاتا حالانکہ ابتدا میں وہ زمین پر پڑا ہوا ایک معمولی سا پتا تھا، جسے ثبات و استحکام حاصل نہ تھا بعد میں یہ ایسا ہو گیا کہ انسان شناسی کے تمام ماہرین کو حیرت زدہ کر دیتا اور وہ فکر میں ڈوب جاتے ہیں کہ یہ کیسی بخت اور شاندار قوم وجود میں آئی البتہ حیرت و استعجاب کا باعث ایسی ہی قوم ہوسکتی جو اشداء علی الکفار بھی ہو، رحماء بینھم بھی ہو اور رکعاً سجداً اور یبتغون فضلا من اللہ و رضوانا بھی ہو اس میں یہ تمام صفات پائی جاتی ہوں۔

اب بتایئے ہم مسلمان اس قدر زوال و انحطاط کا شکار کیوں ہیں؟ اس قدر بد بخت اور ذلیل و خوار کیوں ہیں؟ بتایئے ان مذکورہ خصوصیات میں سے کونسی خصوصیت ہمارے اندر موجود ہے؟ اور ہم کیا توقعات وابستہ کیے ہوئے ہیں؟

معنویات کو خفیف نہ سمجھئے

میں بر ملا اعتراف کہ اسلام ایک اجتماعی دین ہے، اسکے احکام و فرامین اسکے اجتماعی ہونے کے عکاس ہیں لیکن یہ حقیقت اس بات کا سبب نہیں ہو سکتی کہ ہم عبادت، دعا اور ذکر خدا سے ارتباط کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں، انہیں معمولی سمجھنے لگیں، نماز کو بے اہمیت سمجھیں۔

نماز کو خفیف اور معمولی سمجھنا بھی ایک گناہ ہے نماز نہ پڑھنا ایک بڑا گناہ ہے لیکن نماز پڑھنا مگر اسے خفیف سمجھنا، اسے بے اہمیت قرار دینا بھی ایک گناہ ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے بعد (آپ کے ایک صحابی) ابو بصیر تعزیت کی غرض سے ام حمیدہ کے یہاں حاضر ہوئے ام حمیدہ رونے لگیں ابو بصیر، جو نابینا تھے وہ بھی رونے لگے اسکے بعد ام حمیدہ نے ابو بصیر سے کہا: اے ابو بصیر! تم نہ تھے، تم نے اپنے امام کے آخر لمحات کو نہ دیکھا، اس وقت ایک عجیب واقعہ ہوا امام قریب قریب غشی میں تھے، اسی اثنا میں آپ نے اپنی آنکھوں کو کھولا اور فرمایا: میرے تمام نزدیکی رشتے داروں کو بلاؤ، سب کو میرے سرہانے جمع کرو۔ ہم نے امام کے حکم کی

تعمیل کرتے ہوئے سب لوگوں کو اکھٹا کیا جب سب لوگ جمع ہو گئے تو امام نے اسی عالم غشی میں، جبکہ آپ اپنی حیات مبارک کے آخری لمحات طے کر رہے تھے، اپنی آنکھوں کو کھولا، ارد گرد جمع ہونے والوں کی طرف رخ کیا اور صرف ایک جملہ ارشاد فرمایا: اِنَّ شَفا عَتَنا لاٰ تَنٰالُ مُسْتَخِفًّا بِالصَّلوٰةِ (ہماری شفاعت کسی بھی صورت میں ان لوگوں کو نہ لے گی جو نماز کو معمولی سمجھتے ہیں۔وسائل الشیعہ ج۳ص۱۷۔ ح ۱۱) امام نے صرف اتنا کہا اور جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔

امام نے یہ نہیں فرمایا کہ ہماری شفاعت ان لوگوں کو نہ لے گی جو نماز نہیں پڑھتے۔ان لوگوں کا معاملہ ہوتا بالکل واضح (clear) بلکہ فرمایا کہ ایسے لوگ جو نماز کو سبک اور معمولی سمجھتے ہیں، وہ ہماری شفاعت نہ پا سکیں گے۔

کون لوگ ہیں جو نماز کو سبک اور معمولی سمجھتے ہیں ؟

نماز کو معمولی چیز اور بے اہمیت سمجھنے والے لوگ وہ ہیں جنہیں وقت اور فرصت میسر ہوتی ہے، وہ اطمینان کے ساتھ ایک اچھے طریقے سے نماز پڑھ سکتے ہیں، لیکن ایسا نہیں کرتے ظہر عصر کی نماز اس وقت پڑھتے ہیں جب سورج غروب ہونے کو ہوتا ہے جب دیکھتے ہیں کہ سورج ڈوبنے کو ہے تو بھاگم بھاگ وضو کرتے ہیں، جھٹ پٹ نماز پڑھتے ہیں اور تیزی کے ساتھ سجدہ وہ ایک طرف رکھ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ایسی نماز پڑھتے ہیں جس کا نہ مقدمہ ہوتا ہے نہ موخرہ، نہ جس میں اطمینان ہوتا ہے نہ حضورِ قلب ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں، جیسے نماز بھی دوسرے معمولی کاموں کی طرح کا ایک کام ہے۔

یہ ہے نماز کو خفیف سمجھنا۔ایسی نماز، اس نماز سے بہت زیادہ مختلف ہے جس کی طرف انسان ذوق وشوق کے ساتھ لپکتا ہے جوں ہی ظہر کا اول وقت آتا ہے وہ مکمل اطمینان کے ساتھ جا کر وضو کرتا ہے، ایسا وضو جس میں تمام آداب کو ملحوظ رکھا گیا ہوتا ہے اسکے بعد جا نماز پر آ کر اذان و اقامت کہتا ہے اور سکون اور دل جمعی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے سلام کہہ کر فوراً ہی کھڑا نہیں ہوجاتا بلکہ اطمینانِ قلب کے ساتھ کچھ دیر تعقیباتِ نماز پڑھتا ہے، ذکرِ خدا کرتا ہے یہ اس بات کی علامت ہے کہ (اس گھر میں) اس کی نظر میں نماز کو احترام حاصل ہے۔

ایسے نمازی جو نماز کو خفیف قرار دیتے ہیں، یعنی حقیر اور معمولی سمجھتے ہیں، وہ فجر کی نماز عین طلوعِ آفتاب کے وقت پڑھتے ہیں اور ظہر و عصر کی نماز غروبِ آفتاب کے وقت ادا کرتے ہیں، مغرب اور عشاء کی نماز انہیں رات کے چار گھنٹے گزرجانے کے بعد یاد آتی ہے یہ لوگ برق رفتاری اور تیزی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تجربہ بتاتا ہے کہ ایسے لوگوں کے بچے سرے سے نماز پڑھتے ہی نہیں۔

آپ اگر حقیقی نمازگزار بننا چاہتے ہیں، اور یہ چاہتے ہیں کہ آپ کے بچے بھی نماز کے پابند بنیں تو آپ کو نماز کا احترام کرنا چاہیے ہم آپ سے صرف یہ تقاضا نہیں کر رہے کہ نماز پڑھیے، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ چاہتے ہیں کہ نماز کا احترام کیجیے اس مقصد کیلئے پہلے تو خود اپنے لیے گھر میں نماز پڑھنے کی ایک مخصوص جگہ بنایئے (یہ مستحب بھی ہے) یعنی گھر میں ایک ایسی جگہ کا انتخاب کیجیے جو آپ کی عبادت گاہ ہو، جائے نماز ایک چیز اپنے لیے بنایئے۔

جیسے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کے لیے ایک جگہ معین کی ہوئی تھی اگر ممکن ہو تو آپ بھی ایک کمرے کو نماز پڑھنے کی جگہ کے طور پر مقرر کرلیجیے اگر گھر میں کمرے زیادہ نہ ہوں تو خود اپنے کمرے میں نماز کے لیے ایک خاص جگہ معین کر لیجیے ایک پاک صاف جا نماز وہاں رکھیے، نماز کے لیے کھڑے ہونے سے قبل اسے بچھایئے آپ کے پاس ایک مسواک بھی ہو، ذکر پڑھنے کے لیے تسبیح بھی ہو۔

جب وضو کر رہے ہوں تو اسے بھی جلدی جلدی اور عجلت میں نہ کیجیے ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم حضرت علی کے شیعہ ہیں برادرِ عزیز! نام رکھ لینے سے علی کا شیعہ نہیں ہوا جاسکتا، جس شخص نے حضرت علی کے وضو کو بیان کیا ہے وہ کہتا ہے: علی ابن ابی طالب جب وضو کے لیے تشریف لاتے اور ہاتھوں کو پانی میں ڈالتے (وضو کا پہلا مستحب عمل یہ ہے کہ انسان اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے) تو فرماتے :

بِسْمِ للهِ وَ بِاللهِ اَللَّهُمَّ اجعَّلَنْی مِنَ التَّوّابِینَ وَاجْعَلْنی مِنَ الْمُتَطَهِّرِینَ

اللہ کے نام اور اللہ ہی کے سہارے سے خدایا! مجھے توبہ کرنے والوں میں قرار دے، مجھے پاکیزہ رہنے والوں میں قرار دے

دو دن پہلے ہم نے توبہ کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے عرض کیا تھا کہ توبہ کے معنی ہیں خود کو پاکیزہ کرنا، ہے۔ پانی رمز طہارت ہے، یہی وجہ ہے کہ جب علی پانی کا رخ کرتے ہیں تو، توبہ کو یاد کر کے، اپنے ہاتھوں کو صاف کرتے ہوئے، اپنی روح کی طہارت کی جانب متوجہ ہو کے، ہم سے کہتے ہیں کہ جب اس پانی، جب اس طہور، جب اس مادے کا سامنا کرو جسے خدا نے پاکیزگی کا ذریعہ قرار دیا ہے، جب اس مادے کی طرف جاؤ اور تمہاری نگاہ اس پر پڑے اور اپنے ہاتھوں کو اس سے دھوؤ تو پاک کرو تو یہ بات ذہن میں رکھو کہ ایک اور پاکیزگی بھی ہے، ایک اور پانی بھی ہے، وہ ہے پاکیزگی روح کی پاکیزگی اور وہ ہے پانی، توبہ کا پانی ہے۔

کہتے ہیں کہ ہاتھوں کو دھونے کے بعد علی، اپنے چہرے پر پانی ڈالتے اور فرماتے: اَللَّهُمَّ بَیَّضْ وَجْهِی یَوْمَ تَسْوَ دَفیه الْوُجُوهُ وَلاَ تُسَوَّدْ وَجْهی یَوْمَ تَبْیَض فیهِ الْوُجُوهُ

آپ اپنے چہرے کو دھوتے ہیں اور سب ظاہر صاف کرتے ہیں، خوب! جب اپنے چہرے کو پانی سے دھوتے ہیں تو وہ سفید براق ہو جاتا ہے لیکن علی اسی پر اکتفا نہیں کرتے، اسلام بھی اسی پر اکتفا کا قائل نہیں ہے، یہ عمل درست ہے اور اس پر عمل بھی کرنا چاہیے لیکن ایک اور پاکیزگی کے ساتھ اور ایک اور نورانیت کے ہمراہ، چہرے پر ایک اور سفیدی ہونی چاہیے فرماتے ہیں:

اَللَّهُمَّ بَیَّضْ وَجْهِی یَوْمَ تَسْوَ دَفیه الْوُجُوهُ وَلاَ تُسَوَّدْ وَجْهی یَوْمَ تَبْیَض فیهِ الْوُجُوهُ

خدایا میرے چہرے کو اس دن روشن کر دینا جس دن چہرے سیاہ ہو جائیں (روزِ قیامت) اور اس دن چہرے کو سیاہ نہ کرنا جس دن چہرے روشن ہو جائیں۔

اس کے بعد داہیں ہاتھ پہ پانی ڈال کے فرماتے ہیں :

اَللّٰھُمَّ اَعْطِنی کِتٰابی بِیَمِینی واَلْخُلْد فیِ الْجَنَانِ بِیَسَاریِ وَ حٰاسِبْنی حِسٰاباً یسراً

خدایا! قیامت میں میرا نامہ اعمال میرے داہنے ہاتھ میں دینا (کیونکہ کامیاب اور نجات یافتہ لوگوں کا نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے) اور جنت مجھے آسانی سے عنایت فرما دینا، اور حساب میں بھی آسانی فرمانا۔

اس طرح آپ آخرت کے حساب کو یاد کرتے ہیں اس کے بعد بائیں ہاتھ پہ پانی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَللّٰھُمَ لاٰ تَعْطِنی کِتٰابی بِشِمٰالیِ وَلاٰ مِنْ وَراءِ ظَھری وَلاَ تَجْعَلْھَا مَغَلولَۃَ اِلیٰ عُنْقی وَاَعُوذُبِکَ مِنْ مُقطَّعٰات النِیران

خدایا! میرے نامہ اعمال کو بائیں ہاتھ میں یا پشت کی طرف سے نہ دینا(کچھ لوگوں کا نامہ اعمال انہیں پیچھے سے پکڑایا جائے اور یہ بھی ایک رمز) اور نہ میرے ہاتھوں کو میری گردن سے باندھ دینا میں جہنم کی آگ کے قطعات سے تیری پناہ چاہتا ہوں

کہتے ہیں: اسکے بعد آپ نے سر کا مسح کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰھُمَّ غَشَنی بِرَحْمَتِکَ وَ بَرَکَاتِک

خدایا! مجھے اپنی رحمت اور برکتوں میں ڈبو دے

پھر آپ نے پیر کا مسح کرتے ہوئے فرمایا:

اللّٰھُمَّ ثَبَّتْ قَدَمی عَلیٰ الصِّراطِ یَوْمَ یَزِلُّ فیہِ الْاَقْدَامُ

خدایا! میرے ان قدموں کوصراط پر اس دن ثابت رکھنا جس دن سارے قدم پھسل رہے ہوں گے

وَاجْعَلْ سَعْیی فیما یَرضِکَ عَنّی

میرے عمل اور سعی و کاوش کو ان کاموں میں قرار دینا جو تجھے راضی کر سکیں

ایسا وضو جو اس قدر شق و اشتیاق اورتوجہ و اہتمام کے ساتھ یا جائے ، وہ (بارہِ الٰہی میں) ایک علیحدہ ہی انداز سے قبول یا جائے ، اور وہ وضو جو ہم اورآپ کرتے ہیں اسکی قبو یت کسی اور طرح کی ہو گی۔

پس نماز کو معمولی نہیں سمجھنا چاہیے، سبک نہیں شمار کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ انسان دورانِ نماز صرف اسکے واجبات کی ادائیگی پر اکتفا کی کوشش کرے(اور جب کوئی اسے اس جانب متوجہ کرے تو کہے کہ) آؤ، دیکھیں، مرجع تقلید کا فتویٰ یا ہے ، یا وہ کہتے ہیں کہ (دوسری اورتیسری رکعت میں) تین مرتبہ سبحان اللہ، والحمد اللہ، ولا الہ الا اللہ، واللہ اکبر کہنا چاہیے،یا اسے ایک ہی مرتبہ کہنا کافی قرار دیتے ہیں؟

جی ہاں (درست کہ)، مجتہد فتویٰ دیتے ہیں کہ اسے ایک ہی مرتبہ کہنا کافی البتہ ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ احتیاط مستحب یہ کہ اسے تین مرتبہ کہا جائےلہٰذا ہمیں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ جب مجتہد نے ایک مرتبہ کہنا کافی قرار دیا تو ہم بھی صرف ایک ہی مرتبہ کہیں گےیہ دراصل نماز سے جی چرانا ہے میں ایسا ہونا چاہیے کہ اگر مجتہد ایک مرتبہ کہنا واجب قرار دے اور مزید دو مرتبہ کہنا مستحب سمجھے، تو ہم بہتر سمجھتے ہوئے اس مستحب کو بھی انجام دیں ۔

روزے کو بھی معمولی اور خفیف نہیں بنانا چاہیے،بعض لوگوں کا روزہ رکھنے کا ایک خاص انداز (یہ میں ازراہِ مزاق کہہ رہا ہوں) کہ نعوذ باللہ اگر میں خدا کی جگہ ہوں تو کسی صورت ان کا یہ روزہ قبول نہ کروں۔

میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں جو ماہِ رمضان میں رات بھر نہیں سوتےالبتہ ان کی یہ شب بیداری عبادت کی غرض سے نہیں ہوتی بلکہ اس لیے جاگتے ہیں کہ ان کی نیند پوری نہ ہو سکے صبح تک چائے پینے اور سگریٹ نوشی میں وقت گزارتے ہیںصبح طلوع ہونے کے بعد اول وقت نماز فجر پڑھ کے سو جاتے ہیں اور (سارے دن سو کر) اس وقت بیدار ہوتے ہیں جب ظہر اور عصر کی نماز کی ادائیگی کاانتہائی قلیل وقت باقی رہ جاتا اور پھر برق رفتاری سے یہ نمازیں پڑھنے کے بعد افطار کے سامنے آ بیٹھتے ہیں۔

آخر یہ کس قسم کا روزہ ؟

انسان رات بھر صرف اس لے نہ سوئے کہ دن میں روزہ رکھ سو۔ تا ر ، ۔ تاکہ روزے کی سختی اورمشقت محسوس نہ کرے۔

یا یہ روزے کو معمولی سمجھنا نہیں؟

میرے خیال میں تو یہ روزے کو ں دینے کے مترادف ، یعنی وہ زبانِ حال سے یہ کہتا کہ اے روزے! میں تجھ سے اس قدر نفرت کرتا ہوں کہ تیرا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا!!

ہم حج کرتے ہیں لیکن حقارت کے ساتھ، روزہ رکھتے ہیں لیکن معمولی بنا کے، نماز پڑھتے ہیں لیکن سبک کر کے، اذان کہتے ہیں لیکن بے حیثیت انداز میں۔

دیکھیے، ہم اذان کو کیسے بے حیثیت کرتے ہیں؟

موذن کا ''صیّت'' یعنی خوش آواز ہونا مستحب اسی طرح جیسے قرآنِ مجید کی قراءت کے لے تجوید یعنی حروفِ قرآن کی خوبصورتی کے ساتھ ادائیگی، خوبصورت آواز میں قرآن پڑھنا سنت ، جو روح پر بھی بہت زیادہ اثر انداز ہوتا اسی طرح اذان میں بھی مستحب یہ کہ موذن ''صیّت'' یعنی خوش آواز ہو، اس انداز سے اذان کہے کہ سننے والوں پرو بر طاری کر دے، ان میں خدا کی یاد تازہ کر دے۔

بہت سے افراد خوش آواز ہیں اور اچھے انداز میں اذان کہہ سکتے ہیںلیکن اگر ان سے کہا جائے کہ جناب آ گے بڑھیے، آج آپ اذان کہہ دیجے تو وہ تیار نہیں ہوتے کیوں؟ اس لے کہ وہ اسے اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ دل ہی دل میں کہتے ہیں کہ یا میں اس قدر حقیر شخص ہوں کہ موذن بنوں؟

جناب! موذن ہونے پر تو آپ کو فخر کرنا چاہیے، علی ابن ابی طالب علیہ السلام موذن تھےجس دور میں آپ خلیفہ تھے، اس دور میں بھی اذان کہا کرتے تھےموذن ہونے کو اپنی توہین سمجھنا، یا موذن ہونے کو کسی خاص طبقے سے وابستہ قرار دینا اور یہ کہنا کہ میں جو اشراف و معارین میں سے ہوں، رجال و شخصیات میں میرا شمار ہوتا ، میں اذان دوں؟ --- یہ سب باتیں اذان کی تحقیر کرنا اور اسے حقیر سمجھنا ہیں۔

پس میں کسی بھی صورت میں عبادات کی تحقیر نہیں کرنی چاہیے میں ایک کامل اور جامع مسلمان ہونا چاہیے اسلام کی حیثیت اور قدر و قیمت اسکی جامعیت میں نہ تو ہمارا کردار یہ ہو کہ صرف عبادات سے چپکے رہیں، اسکے سوا تمام چیزوں کو ترک کر دیں اور نہ ہی میں دورِ حاضر میں پیدا ہونے والے ان لوگوں کی مانند ہونا چاہیے جنہیں اسلام کی صرف اجتماعی تعلیمات ہی نظر آتی ہیں اور عبادات کی تحقیر کرنے لگیں۔

انشاء اللہ آئندہ شب جب ہم اسی بحث کے تسلسل میں فرائض پیش کریں گے تو دوسرے تمام اسلامی فرائض کی نظر سے عبادت کی اہمیت پر گفتگو کریں گے اور واضح کریں گے کہ خود عبادت خدا کے تقرب کا ایک رکن اور مرکب (سواری) ہونے کے علاوہ، نیز علاوہ اس کے کہ ''وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ''[1] نماز کا مقصد یادِ خدا اور تقربِ الٰہی ہے اور خدا کا تقرب اور اس سے نزدیکی خود اتنا بڑا مقصد ہے کہ اسے اپنے سے بڑھ کر کسی اور مقصد کی ضرورت نہیں (خود یہی اعلیٰ ترین مقصد ہے) ان سب باتوں سے قطع نظر اگر ہم عبادت کی تحقیر کریں تو دوسرے تمام فرائض کی ادائیگی سے بھی رہ جائیں گے عبادات تمام دوسرے اسلامی احکام و فرامین کی قوتِ مجریہ اوران کے اجرا کی ضامن ہیں۔

یہیں پر ہم اپنے فرائض ختم کرتے ہیں۔

خدایا! تجھے تیری درگاہ کے عبادت گزار بندوں کے حق کا واسطہ، ان صاحبانِ قرآن کے صدقے پاکیزہ اور مخلص مناجات کرنے والوں کے صدقے، ہم سب کو حقیقی عبادت گزاروں میں قرار دے۔

بارِ الٰہا! ہمیں دین اسلام کی جامعیت سے آشنا فرما اور ہمیں ایک جامع مسلمان بنا دے۔

پروردگارا! ہم سب کو خلوصِ نیت کی توفیق کرامت فرما۔

الٰہی! ان محترم شبوں میں ہمارے گناہوں کو بخش دے، ہمارے مرحومین کی مغفرت فرما۔

رَحِمَ اللّٰہُ قَرَأَ الْفاتِحَۃَ مَعَ الصَّلَوَات

۱۔ اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔ (سورہ طہ ۲۰ آیت ۱۴)

عبادت اور تربیت

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللہِ اَکْبَرُ [1]

اسلام میں عبادات اصل اور بنیاد کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ اسکی تربیتی اسکیم کا ٔ جھی ہیں اس بات کی وضاحت یوں کی جا سکتی کہ :عبادات کے اصل اور بنیاد کے حامل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ دوسرے ہر پہلو سے قطع نظر، انسانی زندگی کے مسائل سے قطع نظر خود عبادت مقاصد خلقت میں سے ۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

اور میں نے جنات اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا یا (سورہ ذاریات ۵۱آیت ۵۶)

عبادت انسان کے حقیقی کمال اور تقربِ الٰہی کا ایک وسیلہ ۔

ایسی چیز جو خود انسان کے کمال کا مظہر، اورخود ہدف اور غایت اسکے لیے ضروری نہیں کہ وہ کسی دوسری چیز کا مقدمہ اور وسیلہ ہو لیکن ہے سکے باوجود، عبادات اس اصالت کی حامل ہونے کے ساتھ ساتھ دوسری چیز کا مقدمہ بھی ہیںیعنی جیسا کہ ہم نے عرض یا (عبادات) اسلام کی تربیتی اسکیم کا ہیںیعنی اسلام، جو اخلاقی اور اجتماعی لحاظ سے افراد کی تربیت کرنا چاہتا ہے ، وہ اس مقصد کے لیے جو وسائل اختیار کرتا ہے ان میں سے ایک وسیلہ عبادت اور اتفاق سے یہ وسیلہ انسان کے اخلاق اور روح پر ہر دوسرے وسیلے سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے ایسا کس طرح ؟ ہم آئندہ سطور میں اس کی وضاحت کریں گے۔

اخلاقی مسائل کا محور ''ایثار و فدا کاری'' اور اپنے فائدے اور مفاد کو پس پشت رکھنا جس طرح ''حمیہ''یعنی پرخوری سے اجتناب، جسمانی سلامتی کا ایک اصول ، جو (جسمانی صحت سے متعلق) تمام خوبیوں کی اساس اوربنیاد ، اسی طرح اخلاق میں بھی ایک چیز ،

۱:۔بے شک نماز ہر برائی اور بد کاری سے روکنے والی اور اللہ کا ذکر بہت بڑی شے (سورہ عنکبوت ۲۹آیت ۴۵)

جو تمام اخلاقی مسائل کی اصلِ اساس ، اور وہ اپنی ذات سے گزرا،جنا، اپنی ذات کو بھلا دینا، ا''ناتیت'' کی اسیری سے آزاد ہوا،جنا اور ''میں'' کو ترک کر دینا۔

اجتماعی مسائل میں عدالت کا اصول تمام اصولوں کی ماں عدالت، یعنی دوسرے افراد کے حق کو ملحوظ رکھنا، ان کے حقوق کی رعایت کرنا۔

وہ مشکل جس سے انسانیت اخلاقی مسائل میں بھی دوچار اور اجتماعی مسائل میں بھی اس کا سامنا کر رہی ، وہ ان اصولوں کو روبہ عمل لانے کا مسئلہ یعنی کوئی بھی شخص ایسا نہیں جو اخلاق سے ناواقف ہو، یا اس بات کا علم نہ رکھتا ہو کہ عدالت کس درجہ ضروری لیکن مشکل اس وقت پیش آتی جب ان اصولوں پر عمل کا مرحلہ آتا ۔

جس وقت انسان کسی اخلاقی اصول کی پابندی کرنا چاہتا تو اسے نظر آتا کہ اسکا مفاد اور منفعت ایک طرف اوراس اخلاقی اصول کی پابندی دوسری طرف وہ دیکھتا کہ راست گوئی ایک طرف اور منفعت اور فائدہ دوسری طرف یا تو وہ جھوٹ بولے، خیانت کرے اور نفع حاصل کر لے، یا پھر سچ بولے، امانت داری کا ثبوت دے اور نفع کو پس پشت ڈال دے۔ وہ مقام جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ عدل و اخلاق کا دم بھرنے والا انسان بھی عمل کے موقع پر اخلاق اور عدالت کی مخالف راہ اختیار کرتا ۔

ایمان کی تاثیر

جو چیز اخلاق اور عدالت کی پشت پناہ اور ضمانت ، اور جو اگر انسان میں پیدا ہو جائے تو انسان باآسانی اخلاق اور عدالت کے راستے پر قدم بڑھاسکتا اور اپنے نفع اور مفاد سے دستبردار ہوسکتا ، وہ صرف ''ایمان'' ۔

البتہ کونسا ایمان؟ جی ہاں، خود عدالت پر ایمان، خود اخلاق پر ایمان۔

انسان میں عدالت پر ایک مقدس امر کے طور پر، اخلاق پر ایک مقدس امر کے طور پر ایمان کب پیدا ہوتا ؟

(یہ ایمان)اس وقت (پیداہوتا)جب وہ تقدس کی اصل و اساس یعنی ''خدا'' پر ایمان رکھتا ہولہٰذا انسان لا اتنا ہی عدالت کا پابند ہوتا جتنا خدا کا معتقد ہوتا ، لا اتنا ہی اخلاق کا پابند ہوتا جتنا خدا پر ایمان رکھتا ۔

ہمارے دور کی مشکل یہ ہے کہ (لوگ) سمجھتے ہیں کہ ''علم'' کافی یعنی بااخلاق اور عادل ہونے کیلیے ہمارا عدالت اور اخلاق سے واقف ہونا اور ان کا علم رکھنا ہی کافی لیکن تجربے نے بتایا کہ اگر علم سے ایمان کا رشتہ ٹوٹا ہوا ہو، تو یہ عدالت اور اخلاق کے لے نہ صرف مفید نہیں، بلکہ مضر بھی اور ''سنائی'' کے اس قول کے مصداق ہوجاتا کہ چو دزدی با چراغ آید گزیدہ تربرد کالا (جب چور چراغ کے ساتھ آتا تو اچھی طرح چن چن کے مال لے جاتا)

لیکن اگر ایمان پیدا ہو جائے، تو اخلاق اور عدالت میں استحکام آجاتا مذہبی ایمان کے بغیر اخلاق اور عدالت ایسے ہیں جیسے بغیر ضمانت کے کرنسی نوٹوں کا جاری کر دینا جب مذہبی ایمان آجاتا تو اخلاق اور عدالت بھی آ جاتے ہیں۔

یہیں پہنچ کر ہمیں نظر آتا کہ اسلام نے خدا کی پرستش اور عبادت کو اخلاق اور عدالت سے جدا ایک علیحدہ مسئلہ قرار نہیں دیا یعنی جس عبادت کا اسلام حکم دیتا اسکی چاشنی اخلاق اور عدالت کو قرار دیتا یا یہ کہیں کہ جس عدالت اور اخلاق کو تجویز کرتا ، اسکی چاشنی عبادت کو قرار دیتا کیونکہ اسکے بغیر یہ ممکن نہیں۔

ایک مثال عرض کرتا ہوں : آپ کو کہاں، اور دنیا میں پائے جانے والے مکاتیب و ادیان میں سے کس مکتب اور دین میں یہ بات نظر آتی کہ ایک مجرم خود اپنے قدموں سے چل کر آئے اور اپنے آپ کو سزا کے لے پیش کرے؟ مجرم تو ہمیشہ سزا سے بچنے کی کوشش کرتا وہ واحد قدرت جو مجرم کو خود اپنے قدموں پر چلاکے اور اپنے ارادے اور اختیار سے سزا کی طرف لاتی وہ ''ایمان'' کی طاقت ، اسکے سوا کوئی اور چیز ایسانہیں کر سکتی۔

جب ہم اسلام کے ابتدائی دور پر نظر ڈالتے ہیں تو میں ایسی بہت سی مثالیں نظر آتی ہیں البتہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں، تو اس سے مراد یہ نہیں کہ اس ابتدائی دور کے سوا کسی اور دور میں ایسی مثالیں نہیں ملتیں نہیں، بلکہ اسلام کے علاوہ دوسرے ادوار میں بھی، لوگوں میں پائے جانے والے ایمان کے تناسب سے ایسی مثالیں موجود ہیں۔

اسلام نے مجرم کے لیے سزاؤں کا تعین کیا مثلاً شراب نوشی کے مرتکب فرد، زنا کار اور چور کے لیے سزائیں معین کیں لیکن دوسری طرف اسلام میں ایک اصول ہے اور وہ یہ کہ اَلْحُدُوْد تَدْرَ أُبِالشَّبْهَاتِ یعنی حدود معمولی شبہے پر دفع ہو جاتے ہیں اسلام قاضی اور حاکم کو اس بات کا پابند نہیں کرتا کہ وہ مجرم کو تلاش کرنے کے لیے جاسوسی کریں، تجسس کریں بلکہ مجرم کے دل میں ایک طاقت ڈالتا ہے جس کے اثر سے وہ خود اپنے آپ کو سزا کے لیے پیش کرتا ہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں، امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کے دور میں کثرت کے ساتھ ایسا ہوا کرتا تھا کہ لوگ خود پیغمبر یا امام کی خدمت میں حاضر ہوتے اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ (یا امیر المومنین) ہم فلاں جرم کے مرتکب ہوئے ہیں، ہمیں سزا دیجیے ہم آلودہ ہیں، ہمیں پاک کر دیجیے۔

ایک شخص رسول اکرم کی خدمت میں آیا اور کہا: اے اللہ کے رسول ! میں نے زنا کیا ہے، مجھے سزا دیجیے (چونکہ اس قسم کے مسائل میں ایسے شخص کے لیے چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے، ایک مرتبہ کا اقرار کافی نہیں، لہٰذا) پیغمبر نے فرمایا: لَعَلَّکَ قَبَّلْتُ شاید تم نے اس عورت کا بوسہ لیا ہو اور کہہ رہے ہو کہ میں نے زنا کیا ہے (یعنی آنحضرت اسکے منہ میں الفاظ رکھ رہے ہیں) اگر وہ کہے کہ ہاں میں نے بوسہ لیا ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ بوسہ اگرچہ بھی زنا کی مانند ہے اور معاملہ صرف یہیں پر ختم ہو گیا ہو اس نے کہا : نہیں، اے اللہ کے رسول! میں نے زنا کیا ہے فرمایا: لَعَلَّکَ غَمَّزْتَ، شاید تو نے برائی کا صرف ارادہ کیا ہو ، یا اسکے جسم کو ہاتھ لگایا ہو (شاید وہ کہے کہ ہاں، ایسا ہی تھا، اس سے زیادہ میں نے کچھ نہیں کیا تھا)اس نے کہا: نہیں، اے

اللہ کے رسول! میں زنا کا مرتکب ہوا ہوں آپ نے فرمایا: شاید تم زنا کے قریب قریب پہنچ گیا ہو اور در حقیقت زنا واقع نہ ہوا ہو؟ اس نے کہا: نہیں، اے اللہ کے رسول! میں آلودہ ہوا ہوں، میں پاک ہو گیا ہوں میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھ پر حد جاری فرمائیں اور اسی دنیا میں مجھے سزا دیں، میں نہیں چاہتا کہ میرا یہ جرم دوسری دنیا میں میرے ساتھ جائے۔

یہ حدیث جسے ہم اب پیش کر رہے ہیں ''کافی'' میں (فروع کافی ج ۷ص ۱۶۵)

ایک عورت امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا: اے امیر المومنین! میں نے زنائے محصنہ کا ارتکاب کیا، میں شادی شدہ ہوں، شوہر کی غیر موجودگی میں زنا کی مرتکب ہوئی ہوں اور اسکے نتیجے میں حاملہ ہو گئی ہوں ''طَهِّرْنی'' مجھے پاک کر دیجئے، میں آلودہ ہوں امام نے فرمایا : ایک مرتبہ کا اقرار کافی نہیں، چار مرتبہ اقرار کرنا ضروری ہے[۱] پھر یہ کہ اگر ایک شادی شدہ عورت زنا کی مرتکب ہو تو اسے ''رجم''یعنی سنگسار کیا جائے میں اگر تمہیں سنگسار کرنے کا حکم دوں تو اس بچے کا کیا بنے جو تمہارے شکم میں ہے؟ بچے کو تو ہم سنگسار نہیں کر سکتے تم جاؤ، بچے کی پیدائش کےبعد آنا، ہم اس بچے کی وجہ سے تمہیں سنگسار نہیں کر سکتےیہ سن کر وہ عورت چلی گئی۔

چند ماہ بعد دیکھتے ہیں کہ وہی عورت چلی آ رہی ہے، ایک بچہ بھی اس کی گود میں ہے کہتی ہے: یا امیر المومنین طہرنی اے امیر المومنین! مجھے پاک کر دیجئے۔ بوں، میرا عذر یہ بچہ تھا، اب یہ دنیا میں آچکا ہے (یہ دوسرا اقرار تھا)امیر المومنین نے فرمایا: اب اس موقع پر اگر ہم تجھے سنگسار کردیں تو اس بچے کا کیا تصور ہے؟ ابھی اسے ماں کی ضرورت ہے، اسے ماں کا دودھ چاہیے، یہ ماں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کا طالب ہے فی الحال جاؤ، ابھی اس بچے کو تمہاری ضرورت ہے وہ عورت دل شکستہ اور رنجیدہ حالت لے لوٹ گئی۔

ا:-اسلام میں کسی صورت حتیٰ قانون تک کو اس بات کی اجازت نہیں کہ وہ تجسس کرے یا بہانے سے اقرار لے بلکہ جب کوئی انسان اقرار کرتا ہے تو قانون ایک بہانے کے ذریعے اسکے اقرار کو مسترد کرتا ہے۔

ایک دو سال بعد وہ عورت دوبارہ آئی، بچہ بھی اسکے ساتھ تھا اور آ کے کہنے لگی: "یا امیر المومنین! طہرنی" اب میرا بچہ دودھ نہیں پیتا، اسے دودھ پلانے والی کی ضرورت نہیں رہی، بڑاہو گیا اب مجھے پاک کر دیجئے فرمایا: نہیں، ابھی اس بچے کو پالنے کی ضرورت ہے ابھی جاؤیہ سن کر اس عورت نے بچے کا ہاتھ پکڑا، اب وہ روتی جاتی تھی اور یہ کہتی جاتی تھی کہ: خدایا! یہ تیسری مرتبہ ہے کہ میں گناہ کی اس آلودگی سے پاک ہونے کی غرض سے تیرے (مقرر کردہ) امام کی خدمت میں آئی ہوں، خلیفہ مسلمین کے پاس آئی ہوں اور وہ ہیں کہ ہر مرتبہ ایک بہانہ کر کے مجھے واپس لوٹا دیتے ہیں بارالہا ! میں اس زندگی سے چھٹکارا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ وہ مجھے سنگسار کریں اور میں پاک ہو جاؤںوہ یہ کہتی ہوئی جا رہی تھی کہ اتفاقاً اس پر عمرو بن حریث کی نگاہ پڑ گئی، یہ ایک منافق انسان تھااس نے عورت سے پوچھا: کیا ہوا؟ کیا معاملہ ہے؟ عورت نے پورا قصہ کہہ سنایا عمرو بن حریث نے کہا : آؤ میرے ساتھ، میں تمہارا مسئلہ حل کر دیتا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ بچہ میرے حوالے کردو، میں اس کی کفالت قبول کرتا ہوں وہ نہیں جانتا تھا اسے یہ معلوم نہ تھا کہ علی اس عورت سے چوتھی مرتبہ اقرار لینا نہیں چاہتے۔

امام دیکھتے ہیں کہ وہ عورت اپنے بچے اور عمرو بن حریث کے ساتھ واپس چلی آ رہی ہے۔ آپ کے نزدیک آتی ہے اور کہتی ہے: یا امیر المومنین! طہرنی (اے امیر المومنین! مجھے پاک کر دیجئے)، میں نے زنا کیا ہے، بچے کا مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے، اس شخص نے اسے پالنے پوسنے کی ذمے داری لے لی ہے، اب آپ مجھے پاک کر دیجئے۔۔۔

کہتے ہیں کہ امیر المومنین کو معاملے کا یہاں تک پہنچنا بہت ناگوار گزرا۔

یہ ایمان اور مذہب کی طاقت ہے جو انسان کے ضمیر کی گہرائیوں میں اثر انداز ہو کر اسے عدالت اور اخلاق کے سامنے جھکا دیتی ہے عبادت اس لئے ہے تاکہ انسان کی ایمانی حیات کی تجدید ہو، اسکا ایمان تازہ ہو، اس میں طراوت اور نشاط پیدا ہو، وہ قوت اور طاقت حاصل کرے۔

جتنا انسان کا ایمان زیادہ ہو، اتنا ہی وہ خدا کو زیادہ یاد رکھے، اور جتنا انسان کو خدا یاد رہے اتنا ہی وہ گناہ کا کم مرتکب ہوگا اور نافرمانی کرنے یا نہ کرنے کا دارو مدار علم پر نہیں، اسکا دارو مدار غفلت اور یاد پر جتنا انسان غافل ہو، یعنی اس نے جتنا خدا کو فراموش کر دیا ہو، اتنا ہی زیادہ وہ گناہ کا ارتکاب کرے اور جتنا زیادہ وہ خدا کو یاد رکھے، اتنی ہی اسکی نافرمانیاں کم ہوں گی۔

عصمت اور ایمان

آپ نے سنا ہوا کہ انبیا اور ائمہ معصوم ہوتے ہیں اگر آپ سے پوچھا جائے کہ انبیا اور ائمہ کے معصوم ہونے کے کیا معنی ہیں؟ تو آپ اسکا جواب دیں گے کہ وہ کبھی کسی بھی صورت میں گناہ کے مرتکب نہیں ہوتے۔

ٹھیک (عصمت کے) معنی یہی ہیں لیکن اگر اسکے بعد آپ سے سوال کیا جائے کہ (یہ لوگ) کیوں گناہ نہیں کرتے؟ تو ممکن آپ اس سوال کا دو طرح سے جواب دیں ایک یہ کہ انبیا اور ائمہ اس وجہ سے معصوم ہیں اور گناہ نہیں کرتے کہ خداوند ان کے ارتکابِ گناہ میں رکاوٹ، اس نے انہیں بالجبر گناہ اور معصیت سے روکا ہوا یعنی جب کبھی وہ گناہ کرنا چاہتے ہیں، خدا رکاوٹ کھڑی کر دیتا اور ان کا راستہ روک دیتا۔

اگر عصمت کے معنی یہ ہیں تو یہ (انبیا اور ائمہ کے لیے) کوئی فضیلت اور کمال نہیں اگر میرے اور آپ کے ساتھ بھی اسی طرح ہونے لگے کہ جوں ہی ہم گناہ کرنا چاہیں، خدا کی نافرمانی کرنا چاہیں تو ایک خارجی طاقت ہمارے راستے میں حائل ہو جائے، ہمارے مانع و مزاحم ہو جائے اور ہمارے اور گناہ کے درمیان رکاوٹ بن جائے ایسی صورت میں بحالتِ مجبوری ہم بھی گناہ سے محفوظ رہیں گے۔

پس، ہسی صورت میں انہیں (انبیا اور ائمہ کو) ہم پر یا فضیت ہوئی؟ اس صورت میں ان کے اور مارے درمیان صرف یہ فرق ہو کہ وہ ‌ذرا کے ایسے بندے ہیں جنہیں اس نے خاص امتیاز دیا ہوا ، جب وہ ‌ذرا کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں، تو ‌ذرا ان کے راستے میں حائل ہوجاتا یکن (میں یہ امتیاز حاصل نہیں) جب ہم نافرمانی کا ارادہ کرتے ہیں، تو ‌ذرا ہمارا راستہ نہیں رو تا۔

نہیں، یہ خیال غلط فہمی پر مبنی ۔

ان (انبیا اور ائمہ) کے معصوم ہونے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ وہ ‌گناہ کرنا چاہتے اور ‌ذرا ان کے مانع ہوجاتا !

پس پھر قیقت یا ؟

عصمت کے معنی، ایمان کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہونا جتنا ایمان زیادہ ہو اتنا ہی انسان کو ‌ذرا زیادہ یاد ر مثلاً ایک بے ایمان انسان ایک روز ‌ذرا گزرتا ایک ہفتہ ‌ذرا گزرتا ، ایک مہینہ ‌ذرا گزرتا ، جو چیز اسکے ذہن میں کھٹکتی تک نہیں، وہ ‌ذرا ایسا شخص یکسر غافل ۔

بعض لوگوں کو کبھی کبھی ‌ذرا یاد آتا اس موقع پر انہیں خیال ہوتا کہ ہمارا ایک ‌ذرا ، ‌ذرا ہمارے سروں پر اور وہ میں دیکھ رہا یکن ‌ذرا اسی ایک لمحے کے لے ان کے ذہن میں آتا ، اسکے بعد وہ اسے ایسے بھلا بیٹھتے ہیں جیسے سرے سے کسی ‌ذرا کا وجود ہی نہیں۔

یکن کچھ افراد ان کا ایمان مذکورہ بالا لوگوں سے کچھ) زیادہ ہوتا ، کبھی غفلت میں ہوتے ہیں، کبھی بیدار جب غافل ہوتے ہیں تو ان سے گناہ صادر ہوتے ہیں یکن جب بیدار ہوتے ہیں تو اس بیداری کے نتیجے میں ان سے گناہ صادر نہیں ہوتے یونکہ جب وہ ‌ذرا کی جانب متوجہ ہوتے ہیں تو ان سے گناہ کے رور کا امکان ختم ہوجاتا لایزنی الزانی وھو مو من (کوئی حالت ایمان میں زنا نہیں کر سکتا وسائل الشیعہ ج اص ۲۴ح ۱۴)

جب انسان کی روح میں سچا ایمان موجود ہو اور وہ بیدار ہو تو گناہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔اب اگر انسان کا ایمان کمال کی حدوں کو چھو لے، یہاں تک کہ وہ خدا کو ہمیشہ حاضر و ناظر سمجھنے لگے یعنی خدا ہمیشہ اس کے دل میں موجود ہو، تو اس صورت میں وہ کبھی بھی غافل نہیں ہوتا، ہر عمل کی انجام دہی کے دوران خدا کی یاد اسکے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلاَ بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ

وہ مرد جنہیں روکا ر یا خرید و فروخت ذکر خدا سے غافل نہیں کر سکتی(سورہ نور ۲۴آیت ۳۷)

(قرآن) یہ نہیں کہتا کہ وہ لوگ جو تجارت نہیں کرتے اسلام لوگوں کو تجارت اور روکا ر سے روکنے کے لیے نہیں آیا یہ نہیں کہتا کہ تجارت نہ کرو اسکے برعکس حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ محنت کرو، کماؤ، روکا ر کرو، تجارت کرو وہ لوگ جو خرید و فروخت کرتے ہیں، تجارت کرتے ہیں، کماتے ہیں، ملازمت کرتے ہیں لیکن ان سب چیزوں کے باوجود ایک لمحے کے لئے بھی خدا سے غافل نہیں ہوتے دکان کے کاؤنٹر پر کھڑے ہوتے ہیں، چیزیں فروخت کرتے ہیں، تولتے ہیں، بولتے ہیں، پیسے لیتے ہیں اور مال حوالے کرتے ہیں لیکن جس چیز کو وہ ایک لمحے کے لئے بھی فراموش نہیں کرتے وہ "خدا" ہے خدا ہمیشہ ان کے ذہن میں رہتا ہے۔

اگر کوئی ہمیشہ بیدار ہو، ہمیشہ خدا اسکے ذہن میں ہو، تو قدرتی بات ہے کہ وہ کبھی بھی گناہ کا مرتکب نہیں ہو البتہ ہم ایسی دائمی بیداری معصومین علیہم السلام کے سوا کسی اور میں نہیں پاتے(چند اشخاص)معصومین یعنی وہ لوگ جو کسی بھی لمحے خدا کو نہیں بھولتے۔

آپ کی خدمت میں ایک مثال عرض کرتا ہوں: کیا کبھی آپ کے ساتھ ایسا اتفاق ہوا ہے کہ (آپ نے جانتے بوجھتے) اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دیا ہو، یا آگ میں کود پڑے ہوں؟ اگر آپ کو معلوم نہ ہو، بے خبری میں ایسا ہو گیا ہو تو دوسری بات ہے پوری زندگی میں ایک بار بھی ایسا نہیں ہوتا کہ ہم میں سے کوئی ارادتاً خود کو آگ میں جھونک دے البتہ اگر ہم خودکشی کرنا چاہیں تو (بات دوسری ہے)۔

ایسا یوں ؟ ایسااس لیے کہ ہم بخوبی یہ بات جانتے ہیں کہ آگ کا کام لاجا ا ، یہ جانتے ہیں کہ اگر آگ کے بھڑکتے شعلوں میں گر جاہیں تو یقیناً زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے ہم قطعی اور یقینی طور پر اس بات کا علم رکھتے ہیں اور جوں ہی ہمیں آگ نظر آتی یہ علم مارے ذہن میں حاضر ہواجا اور ہم ایک لمحے کے لئے بھی اس سے غافل نہیں ہوتے لہٰذا ہم اپنے آپ کو آگ میں جھونکنے سے معصوم ہیں یعنی میں حاصل یہ علم و یقین اور ایمان کہ آگ جلانے کی صلاحیت رکھتی ، ہمیں آگ میں کودپڑنے سے ۔ باز رکھتے ہیں۔

جتنا ہم آگ کے جلانے کی صلاحیت پر ایمان رکھتے ہیں، اتنا ہی اولیائے خدا، گناہ کے جلانے کی صلاحیت پر ایمان رکھتے ہیں لہٰذا وہ معصوم ہوتے ہیں (کسی گناہ کے قریب نہیں جاتے)۔

اب جبکہ معصوم کے معنی معلوم ہو چکے ہیں، تو اس جملے کا مقصد بھی واضح ہو یا ہو کہ ''عبادت اسلام کی تربیتی اسکیم کا ہے'' عبادت اس لیے کہ انسان کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد خدا کی یاد دلائی جائے اور انسان کو جتنا خدا یاد ہو اتنا ہی زیادہ وہ اخلاق، عدالت اور حقوق کا پابند ہو یہ ایک بالکل واضح (clear) بات ۔

اسلام، دنیا اور آخرت کا جامع

اب اپنی پوری توجہ اس موضوع پر مرکوز فرمایئے کہ اسلام میں دنیا اور آخرت کس طرح باہم لے ہوئے ہیں اسلام مسیحیت کی طرح نہیں مسیحیت میں دنیا اور آخرت کا حساب برا برا مسیحیت کہتی کہ دنیا اور آخرت دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں (ان دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار یا جاسکتا)، یا یہ، یا وہ لیکن اسلام میں ایسا نہیں اسلام آخرت کو دنیا کے ساتھ اور دنیا کو آخرت کے راہ قرار دیتا مثلاً نماز ہی کو لے لیجیے، اسکا خاص اخروی پہلو یہ کہ انسان خدا کو یاد کرے، خوفِ خدا رکھے۔

حضورِ قلب اور خدا کی جانب متوجہ ہونے کیلیے اس قدرادب آداب کی ضرورت نہیں کہ انسانَ پہلے جا کر وضو کرے، اپنے آپ کو دھوئے، صاف کرے یا خدا سے ملاقات کے لیے وضور ۔ پاکیزگی کوئی تاثیر رکھتی ؟ خدا کے حضور جانے کے لحاظ سے اس بات کی کوئی تاثیر نہیں کہ انسان کا منہ د لا ہوا یا نہیں، لیکن خداوند ام رفلہ تا :

اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ، فَاغْسِلُوْ اوُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَفِقِ

ایمان والو! جبَ بھی نماز کے لے اٹھو تو پہلے اپنے چہروں کو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھوؤ(سورہ مارہ ۵۔ آیت ٦)

پھر اسکے بعد نماز پڑھو۔

دیکھا آپ نے (اسلام نے) صفائی کو عبادت کے ساتھ ملا دیا : وَاِنْ کُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّھَّرُ وْا (اور اگر جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کروسورہ مارہ ۵آیت ٦) اوریہاں عبادت کے ساتھ پاکیزگی کا ذکر ۔

اگر آپ نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو آپ کی عبادت کی جگہ مباح ہونی چاہیے، غصب شدہ نہ ہووہ جا نماز جس پر کھڑے ہو کر آپ نماز پڑھتے ہیں، وہ باس جسے پ ن کر آپ نماز ادا کرتے ہیں، اسے حلال اورمباح ہونا چاہیےاگر آپ کے باس کا ایک دھاگا بھی غصبی ہوا، تو آپ کی نماز با ل ہو جائے یاس مقام پر عبادت حقوق کا دامن تھام لیتی خدا کی عبادت کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ کہا جا رہا کہ (لوگوں کے) حقوق کا بھی احترام کیجئےیعنی اسلام کہتا کہ میں ایسی عبادت قبول ہی نہیں کرتا جس میں دوسروں کے حقوق کا پاس ولحاظ نہ رکھا یا ہو۔

لہذا جب نمازپڑھنے والا کوئی شخص، نماز پڑھنا چاہتا تو پہلے یہ دیکھتا کہ یہ گھر جس میں، میں ہوں، اسے میں نے کسی سے ۔ بالجبر تو نہیں ہتھیایا؟ اگر جبرا قابض ہوں، تو میری نماز با ل ہو پس اگر وہ نماز پڑھنا چاہتا تو مجبور کہ پہلے اپنے لے ایک ایسے گھر کا بندوبست کرے جو اسکے لے حلال ہویعنی اسکے اصل مالک سے خریدا ہوا ہو،یا وہ (مالک) اسکے وہاں رہنے سے را ی ہو۔

وہ جس فرش پر کھڑا ، اس کا مسئلہ بھی یہی اسکا باس بھی ایسا ہی ہونا چاہیے، حتیٰ اگر ناداروں کے حقوق، خمس یا زکات (وغیرہ) بھی اس کے ذمے ہوں، تو انہیں بھی ادا کرے اگر اس نے انہیں ادا نہ کیا ہو ، تو بھی اسکی نماز باطل ہوگی۔

اسی طرح (اسلام) ہم سے کہتا اگر نماز پڑھنا چاہتے ہو تو تم سب کو کعبہ کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونا ہو کعبہ کہاں ؟ وہ اوّلین مسجد جو دنیا میں خدا کی پرستش کے لے بنایا گیا، کہاں واقع ؟ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا

(بے شک سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لے بنایا گیا وہ مکہ میں ، مبارک سورہ آل عمران ۳ آیت ۹۶) تم سب پر اس اوّلین مسجد اور مسجد کی سمت رخ کر کے کھڑا ہونا لازم جسے خدا کے عظیم پیغمبر ابراہیم علیہ السلام اوران کے فرزند اسماعیل علیہ السلام نے تعمیر کیا ۔

سوال یہ کہ ہم کعبہ کی طرف رخ کر کے یوں کھڑے ہوں؟ یا وہاں خدا ؟ یا خدا (معاذ اللہ) خانہ کعبہ کے اندر ؟ قرآن مجید جو یہ کہتا کہ :

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ

لہذا تم جس جگہ بھی قبلے کا رخ کر لو گے سمجھو وہیں خدا موجود (سورہ بقرہ ۲ آیت ۱۱۵)

تم جہاں کہیں رخ کر کے کھڑے ہو جاؤ، وہیں خدا ، تم چاہے داہیں طرف رخ کر و یا بائیں طرف، خدا کی طرف رخ کر کے کھڑے ہواوپر رخ کرو یا نیچے، خدا کی طرف تمہارا رخ ہو اور پیغمبراسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا : اگر تم ہیں رسی سے باندھ کر نیچے زمین کے ساتویں طبقے تک بھی لے جاہیں تب بھی خدا کی طرف جاؤ گے۔ مشرق کی طرف جاؤ، تب بھی خداکی طرف جاؤ گے، مغرب کی طرف جاؤ، تب بھی خدا کی طرف جاؤ گے،یہاں جوبیٹھے ہوئے ہو، خداکے ساتھ ہو خداکی کوئی سمت نہیں۔

(اگر ایسا تو) پھر ہم کعبہ کی طرف رخ کر کے کیوں کھڑے ہوں؟

(اسلام) کہتا کہ آپ عبادت کی انجام دہی کے دوران ایک اجتماعی تعلیم و تربیتً بھی حاصل کیجیے آپ سب کو ایک نقطہ وا ر کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونا چاہیے، اگرایسا نہ ہو تو ایک شخص ایک طرف رخ کے کھڑا ہو اور دوسرا دوسری طرف اور یہ تفرقے اور انتشار کی علامت یکن اگرتمام لوگ ایک نقطے کی جانب رخ کر کے کھڑے ہوں، تو اسکا مطلب کہ سب یکسو ہیں۔

تمام مسلمانوں کی ایک ہی سمت اورجہت ہونی چاہیے، اس مقصد کے لیے کس نقطے کا انتخاب کریں جس میں شرک کی بُو بھی نہ پائی جاتی ہو؟ (اسلام) کہتا کہ اس نقطے کا انتخاب کرو جس کی طرف رخ کر کے کھڑے ہونا یہ کہلائے کہ تم نے عبادت کااحترام ملحوظ رکھا ، اس سمت رخ کر کے کھڑے ہو جو اوّلین معبد ، معبد کا احترام عبادت کااحترام ۔

پھر (اسلام) کہتا کہ اگر اطاعت کرنا چاہتے ہو تواسکا ایک معین اورخاص وقت ، اس میں سیکنڈوں کا بھی خیال رکھا جانا چاہیے صبح کی نماز کا وقت طلوعِ صبح کے آغاز سے لے کر طلوع آفتاب کی ابتداء تک اگر تم نے جانتے بوجھتے صبح طلوع ہونے سے ایک سیکنڈ پہلے یا سورج طلوع ہونے کے بعد نماز شروع کی تو تمہاری نماز باطل ہوگی، درست نہ ہو گی نماز کو ان دو (اوقات) کے درمیان ہونا چاہیے یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کہیں کہ مجھے نیند آ رہی ، رات بھر کا جاگا ہوا ہوں، گوَ ابھی صبح طلوع ہونے میں ایک گھنٹہ باقی ، یوںَ بھی خدا کو نہ تو نیند آتی اور نہ بیداری کا ا س سے کوئی تعلق ، یا خدا طلوعین کے درمیان (معاذ اللہ) اپنا مخصوص لباس پہن کر نماز قبول کرنے کے لیے تیار ہوکے بیٹھتا ؟ ۔ ۔ خدا کے لیے تو تمام ساعات اور تمام لمحات مساوی ہیں: لاَ تَاْخُذُہ، سِنَةٌ وَّلاَ نَوْمٌ (اسے نہ نیند آتی اور نہ اونگھ سورہ بقرہ ۲ آیت ۲۵۵) لہٰذا چونکہ میں نے رات جاگ کر گزاری ، بہت زوروں کی نیند آرہی ، کیوں نہ آدھے گھنٹے پہلے نماز پڑھ لوں۔

نہیں جناب، وقت کی پابندی ضروری اپنے مقررہ وقت کے علاوہ کسی دوسرے وقت میں نماز نہیں پڑھی جا سکتی۔

یا ندا کی نظر میں اِس وقت یا اُس وقت کے درمیان کوئی فرق ؟

نہیں۔

ہاں، آپ کے لیے فرق نماز کے ذریعے آپ کی تربیت مقصود ، اگر آپ رات کو دو بجے تک بھی بیدار ر ہیں، تب بھی آپ کو طلوعین کے درمیان اٹھ کر نماز ادا کرنی چاہیے۔ن حال ظہر اور عصر کی نمازوں کا ، (یہ بھی) قبل از وقت قبول نہیں، وقت گزرنے کے بعد بھی قبول نہیں۔ مغرب اور شا کی نمازوں میں بھی ایسا ہی ۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز توعبادت ، ندا پر تی ، بھلا ندا پر تی کو ان معاملات سے یا سروکار؟

نہیں جناب، اسلام میں ندا پر تی ان مسائل سے مربوط اسلام عبادت و پرستش اور دوسرے مسائل کے درمیان تفریق کا قائل نہیں۔

(ممکن کوئی کہے کہ) میں نمازپڑھتا ہوں، لیکن نماز کے دوران گریہ بھی کرنا چاہتا ہوں۔ میں م ببت میں مبتلا ہوں، پریشانی کا شکار ہوں، چاہتا ہوں کہ نماز کے درمیان کچھ آنسو بہا لوں یا کوئی بات میرے ذہن میں آ جائے، کوئی چیز دیکھوں اور ہنس پڑوں (اگر ایسا کروں) توکوئی حرج نہیں ہونا چاہیے۔

نہیں جناب، ایسا نہیں نمازا ساسات کو ضبط کرنے کا مظہر ، حالتِ نماز میں جب آپ ایک نقطے کی سمت متوجہ ہوں تو اسی نقطے کی سمت متوجہ رہنا چاہیے نہ دائیں، نہ بائیں، نہ پیچھے، حتیٰ اپنا سر ادھر ادھر گھمانے کا بھی حق نہیں، ایک چوکس ((Alert حالت میں کھڑے ہونا چاہیے۔

یا نماز میں ہنسا اور رویاجاسکتا ؟

نماز کے دوران کھانے پینے کا حکم یا ؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی چیز عبادت کی روح سے متصادم نہیںخداکویاد کر رہے ہیں ساتھ ساتھ ہنسی آ رہی ہے، ہنسنا چاہتے ہیں رونا آ رہا ہے، رونا چاہتے ہیں یادوران نماز کوئی چیز لکھنا چاہتے ہیں۔

نہیں جناب، آپ کو اس تھوڑی سی مدت کے لیے مشق کرنی چاہیے تاکہ اس دوران آپ کواپنے پیٹ پر کنٹرول ہو، اپنی ہنسی پر کنٹرول ہو، اپنے رونے پر کنٹرول ہو، اپنی بے نظمی پر کنٹرول ہو یہ اجتماعی مسائل میں سے ہے، لیکن عبادت کیونکہ اسلام میں عبادت، تربیتی اسکیم کا ایک حصہ ہے، اس اصول کی رعایت کے بغیر مقبول نہیں۔

یا سکون کے ساتھ جسم کے کھڑے ہونا اچھا ہے؟

بعض کہتے ہیں کہ عجیب بات ہے!!! میں نماز کی حالت میں حمد اور سورے کی تلاوت کرتے ہوئے اسکی تمام شرائط کو ملحوظ رکھتا ہوں لیکن اگر اپنے جسم کو حرکت دوں، ایک پیر اٹھا کر دوسرے پیر پر رکھ لوں، اپنے آپ کو دائیں بائیں جنبش دوں، تو کہا جاتا ہے کہ تمہاری یہ نماز باطل ہے رکوع یا سجود میں بھی اگر اپنے آپ کو ہلاؤں جلاؤں، اپنے پیروں یا ہاتھوں کو حرکت دوں، تو کہتے ہیں کہ تمہاری یہ نماز باطل ہے (کہتے ہیں) آرام اور سکون کے ساتھ نماز پڑھو یعنی جب کھڑے ہو اور اللہ اکبر کہنا چاہو تو جب تک تمہارا بدن ساکت نہ ہو جائے اس وقت تک اللہ اکبر نہ کہو اگر ہلتے ہوئے اللہ اکبر کہا تو نماز باطل ہو گی پہلے سکون سے کھڑے ہو، پھر اللہ اکبر کہو سکے بعد اگر ہلنا ہو تو ہلو لیکن ہلتے وقت کوئی حرف زبان سے ادا نہ کرو، کوئی ذکر نہ کروگے۔ بالفرض تمہارے پاؤں میں درد ہو، یا تمہارے کسی اور عضو میں تکلیف ہو تو خاموش ہو جاؤ، پرسکون ہو جاؤ جب ٹھہر جاؤ تو پھر ذکر شروع کرو بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہواگر نماز کے درمیان تمہارے پاؤں میں تکلیف ہو، تو ٹھہر جاؤ، خاموش ہو جاؤ، اسکو آرام دو۔ دوبارہ وہیں سے شروع کرو۔

(نماز) سکون اور اطمینان کے ساتھ ہونی چاہیےاس دوران تمہاری روح بھی پرسکون ہو اور تمہارا جسم بھی۔

آتے ہیں نماز کے دوسرے حصوں کی طرف۔

نماز خدا کی جانب توجہ کا نام ہے غیر خدا کی جانب توجہ شرک ہے لیکن اس کے باوجود ہم سے کہا گیا ہے کہ نماز میں کہو:

اَلسَّلامُ عَلَیْنا وَعَلیٰ عِبادِ اللهِ الصَّالِحِینَ (ہم پر اور تمام صالح بندگانِ خدا پر ہمارا سلام ہو) اس طرح ہم خدا کے تمام صالح اور نیک بندوں سے یکجہتی، موافقت اور صلح و صفا کا اعلان کرتے ہیں آج کی اصطلاح میں تمام اچھے لوگوں کے ساتھ مل جل کے امن محبت اور سلامتی کے ساتھ رہنے کا اعلان کرتے ہیں حالتِ نماز میں کہتے ہیں کہ ہم کسی صالح بندہ خدا سے دشمنی اور عداوت نہیں رکھتے کیونکہ اگر ہم کسی صالح اور نیک انسان سے دشمنی اور عداوت رکھتے ہوں تو (اسکے معنی یہ ہیں کہ ہم) خود صالح اور نیک نہیں۔

کچھ لوگوں کے خیال میں: اَلسَّلامُ عَلَیْنا وَعَلیٰ عِبادِاللهِ الصَّالِحِینَ کہنا بھی عبادت کی روح و(جو بارہ الٰہی میں حضورِ قلب کا اظہار ہے) سے کوئی ربط نہیں رکھتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسلام میں عبادت کی روح اور بسم تربیتی مسائل سے مربوط ہوتے ہیں۔

نماز پروردگار سے قرب کی سواری ہونے کے ساتھ ساتھ، تربیت کا مکتب و مدرسہ بھی ہے معنوی اور روحانی مسائل کے لحاظ سے انسان جتنا اپنے آپ کو اور دوسروں کو فراموش کرے بہتر ہے لیکن اجتماعی نکتہ نظر سے دوسروں کو فراموش نہ کرنا لازم اور ضروری ہے۔سورہ حمد(ا) جو نماز کالازمی جز ہے، اس میں ہم کہتے ہیں: اِیَّاکَ نَعْبُدُوَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ یہ نہیں کہتے کہ: ایاک اعبدو ایاک استعین ایاک اعبد، اصطلاحاً متکلم واحد ہے، اس کے معنی ہیں کہ خدایا ! میں صرف تیری پرستش کرتا ہوں، صرف تجھ سے مدد لیتا ہوں،

ا:-ہر نماز میں سورہ حمد پڑھنا ضروری ہے لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب (بغیر سورہ فاتحہ کے نماز درست نہیں) دوسرے سورے کی جگہ پر کسی بھی سورے کا انتخاب کیا جا سکتا ہے، لیکن سورہ حمد پڑھنا لازم ہے۔

لیکن ہم یہ نہیں کہتے، بلکہ کہتے ہیں: اِیَّاکَ نَعْبُدُوَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ، یعنی ،سایا ہم صرف تیری پرستش کرتے ہیں، صرف تجھ ہی سے مدد واستعانت طلب کرتے ہیں یعنی کہتے ہیں: ،سایا ! میں تنہا نہیں ہوں، میں دوسرے تمام مسلمانوں کے ساتھ ہوں۔

اس طرح انسان عبادت کی حالت میں اسلامی معاشرے سے اپنی وابستگی اور پیوستگی کا اظہار کرتا ہے۔ کہتا ہے: ،سایا میں ایک فرد نہیں ہوں، ایک نہیں ہوں، میں عضو ہوں، کل کا ایک جز اور ایک بدن کا حصہ ہوں۔ "ہم" ہوں "میں" نہیں ہوں۔ درحقیقت اسلام میں "میں" نہیں پایا جاتا "ہم" پایا جاتا ہے۔ ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں، صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔

خدا کی کبریائی

نماز کے دوسرے اجزا بھی اسی طرح ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک درس ہے، تذکر اور یاد دہانی ہے۔

مثلاً آپ "اللہ اکبر" کے جملے پر غور کیجئے آخر وہ کونسا انسان ہے جو کسی عظیم شے کا سامنا ہونے پر اس سے مرعوب نہ ہو؟ انسان میں خوف پایا جاتا ہے۔ جب وہ کسی پہاڑ کے سامنے کھڑا ہوتا ہے یا اسکی چوٹی پر کھڑے ہو کر نیچے نگاہ ڈالتا ہے، تو اس پر خوف طاری ہو جاتا ہے۔ سمندر کی بپھری ہوئی موجیں دیکھ کر خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ جب کسی صاحبِ قدرت و ہیبت ہستی کو دیکھتا ہے، دبدبے اور جاہ و حشم کی مالک کسی ہستی کا سامنا کرتا ہے، یا اسکی خدمت میں جاتا ہے، تو ممکن ہے اسکے حواس باختہ ہوجائیں، اسکی زبان میں لکنت آ جائے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

اس لیے کہ وہ اس کی عظمت و ہیبت سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ یہ انسان کے لیے ایک طبیعی بات ہے۔

لیکن اللہ اکبر کہنے والا شخص، ایسا شخص جو اپنے آپ کو خدا کی کبریائی کی تلقین کرتا ہے، اسے کسی چیز یا کسی ہستی کی عظمت مرعوب نہیں کرتی کیوں؟ کیونکہ "اللہ اکبر" یعنی ہر چیز سے بڑی بلکہ ہر توصیف سے بڑی ذات، تقدس، یعنی اس بات کا اظہار کہ میں خدا کو عظیم سمجھتا ہوں، اور جب میں خدا کو عظیم سمجھتا ہوں تو اسکے معنی یہ ہیں کہ میرے سامنے اس کائنات کی تمام اشیا حقیر ہیں اللہ اکبر کا ذکر انسان کو شخصیت عطا کرتا ہے، انسان کی روح کو بزرگی اور بلندی عطا کرتا ہے۔

ضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں: عَظُمَ الْخالِقَ فِی اَنْفَسِهِمْ فَصَغَرَ ما دَونِهَ فی اَعیَنِهِمْ (خاق ان کی نگاہ مےیں اس قےرر عظیم کہ ساری دنیا ان کی نگاہوں سے گر گی نہج ا بلاغہ خطبہ ۱۹۱) یعنی ٰرا اہل حق کی روح میں جلوہ افروز لہذا ان کی نظر میں ٰرا کے سوا ہر چیزپست اور معموں ۔

اس مقام پر آپ کے لے ایک وضاحت رض :

چھوٹا اور بڑاوہ ٰا ایک نسبی (Relative) امر مثلاً آپ ضرات جو اس ہال میں تشریف فرما ہیں، اگر یہاں آنے سےَ پہلے، اس سے ایک چھوٹے ہال میں (مثلاً اس سے ایک تہائی چھوٹے ہال میں) بیٹھے ہوئے تھے، تو یہ ہال آپ کو بہت بڑا محسوس ہو ، یکن اگر اسکے برعکس، پہلے آپ ایک ایسے ہال میں بیٹھے ہوں جو اس ہال سے تین ٰاہ بڑا تھا توجب وہاں سے یہاں آئیں گے تو آپ کویہ ہال بہت چھوٹا معلوم دے ۔

انسان جب کبھی مختلف چیزوں کی چھوٹائی اور بڑائی کا موازنہ کرتا تو ان میں چھوٹی دکھائی دینے والی چیزوں کو چھوٹا اور بڑی نظر آنے والی چیزوں کو بڑا قرار دیتا لہذا ایسے افراد جو اپنے پرورد ر کی عظمت و بزرگی سے آشنا ہیں اور اسکی عظمت کو محسوس کرتے ہیں، ان کی نظر میں ٰرا کے سوا ہر چیز تیر اور چھوٹی ، بڑی نہیں ہو سکتیسعدی نے بوستان میں بہت اچی بات کی :

بر ارفان جز ٰرا ہیچ نیت

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیت

سعدی کہتے ہیں: اہل رفان، ٰراکے سوا کسی چیز کی حیثیت کے قائل نہیں، وہ کہتے ہیں کہ کسی اور چیز کا سرے سے وجود ہی نہیں۔

''و رت الوجود'' کے ایک معنیٰ یہ بھی ہیں کہ جب ارف کے سامنے ذات کی عظمت اور بزرگی واضح ہوجاتی تووہ کسی بھی صورت میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اسکے سوا کسی اور چیز کا بھی وجود وہ کہتا کہ اگر ''وہ'' وجود تو ''اس'' کے سوا جو کچھ وہ عدم سعدی نے بھی وجود کے یہ معنی بیان کے ہیبتعد میں کہتے ہیں:

توان گفتن ایں با قلایق شناس

ون خردہ یرند، اہل قیاس

قیقت شناس لوگ جانتے ہیں کہ میں یا کہہ رہا ہوں، یکن وہ لوگ جو (ان کے خیال میں) اہلِ قیاس ہیں وہ ان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ و رت الوجود کس شے کا نام ؟

کہ پس آسمان و زمین چیستند

بنی آدم و دیو و دد کیستند

اگر ذرا کے سوا کسی اورچیز کا وجود نہیں، تو پھر زمین یا ؟ آسمان یا ؟ بنی آدم یا ؟ دیو اور دو یا ؟

پسندیدہ پرسیدی ای ھوشمند

جو ابت بگویم درایت پسند

کہ خورشید و دریا و کوہ و فلک

پری و آدمیزاد و دیو و ملک

مہ ہرچہ ہستنداز آن کمترند

کہ باہستیش نام ہستی برند

کہتے ہیں: میں جب یہ کہتاہوں کہ خدا کے سوا کچھ اور نہیں تو اسکا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ آسمان و زمین، انسان اور فرشتے کسیٰ بھی شے کا وجود نہیں ہے کہ میں دوسری اشیا کے وجود کا منکر ہو گیا ہوں، نہیں، ایسا نہیں بلکہ اس (خدا) کی عظمت کو جان لینے کے بعد میں اسکے سوا جس چیز کو بھی دیکھتا ہوں اسے ہستی قرار دینے سے خود کو عاجز پاتا ہوں۔

کہ جای کہ دریا ست من چیستم

گر او ہست حقا کہ من نیستم

جب آپ ''اللہ اکبر'' کہتے ہیں تو اگر اپنی روح اور دل کی گہرائی سے کہیں گے تو خدا کی عظمت آپ کے سامنے مجسم ہو جائے گی۔ اگر آپ کے دل میں خدا کی عظمت و بزرگی پیدا ہو جائے تو پھر آپ کی نظر میں کسی اور کا عظمت و بزرگی کا حامل ہونا محال ہو ، محال کہ آپ کسی اور سے خوف کھائیں، کسی اور کے سامنے خضوع و خشوع کا اظہار کریں۔

یہی وہ چیز جس کی بنیاد پر کہا جاتا کہ خدا کی بندگی انسان کو آزادی عطا کرتی اگر انسان خدا کی عظمت اور بزرگی کو جان لے، تو اسکا بندہ بن جاتا اور خدا کی بندگی کا لازمہ خدا کے سوا ہر کسی سے آزادی :

بند بگسل باش آزاد ای پسر

نتوان کرد ظرف پر را پر

چند گوئی کہ بندگی چہ بود

بندگی جز شکندگی نبود

خدا کی بندگی غیر خدا کی بندگی سے آزادی کے مترادف کیونکہ خداکی عظمت اوربزرگی کے ادراک کا لازمہ غیر خدا کی حقارت اوراسکے بے قیمت ہونے کا ادراک اور جب انسان غیر خدا کو، خواہ وہ کوئی بھی ہو، حقیر اور معمولی سمجھنے لگے تو محال کہ جانتے بوجھتے کسی حقیر کی بندگی کرے حقیر کی بندگی کو انسان غلطی عظیم سمجھتا ۔

نماز کے دوسرے اذکار جیسے سبحان اللہ، الحمد للہ، سبحان ربی العظیم و بحمدہ، سبحان ربی الاعلیٰ و بحمدہ اور تشہد وغیرہ، ہر ایک میں ایک رمز اور راز پوشیدہ ہے۔

ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے سوال کیا: ہم (نماز کی ہر رکعت میں) دو مرتبہ سجدہ کیوں کرتے ہیں؟ جس طرح ایک مرتبہ رکوع کرتے ہیں اسی طرح ایک مرتبہ سجدہ کر لیں!!؟

البتہ آپ جانتے ہیں کہ سجدے میں، رکوع سے زیادہ خضوع و خشوع اور عاجزی وانکساری کا اظہار پایا جاتا ہے کیونکہ سجدے میں انسان اپنے عزیز ترین عضو (انسان کا بلند ترین عضو سر ہے، جس میں انسان کا مغز ہوتا ہے اور سر میں بھی عزیز ترین نقطہ پیشانی) کو عبودیت اوربندگی کے اظہار کے طور پر پست ترین چیز یعنی خاک پر رکھتا ہے اپنی پیشانی خاک پر رگڑتا ہے اور اس طرح اپنے پروردگار کے سامنے اپنے معمولی اور حقیر ہونے کا اظہار کرتا ہے۔

اس شخص نے کہا: ہم نماز کی ہر رکعت میں دو مرتبہ سجدہ کیوں کرتے ہیں، خاک میں کیا خصوصیت پائی جاتی ہے؟

امیر المومنین نے (اسکے جواب میں) یہ آیت پڑھی: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَ فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِ جُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى (اسی زمین سے ہم نے تمہیں پیدا کیا ہے اور اسی میں پلٹا کے لے جائیں گے اور پھر دوبارہ اسی سے نکالیں گے سورہ طٰہ ۲۰ آیت ۵۵) اور پھر فرمایا: پہلی مرتبہ سجدے میں سر رکھ کر جب اوپر اٹھاتے ہو تو اسکا مطلب اس بات کا اظہار ہے کہ: مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ (ہم سب خاک سے خلق ہوئے ہیں)، ہمارے اس پورے پیکر کی بنیاد خاک ہے، ہم جو کچھ بھی ہیں وہ اس خاک سے وجود میں آئے ہیں جب دوسری مرتبہ اپنا سر خاک پر رکھتے ہو تو تمہارے ذہن میں یہ ہونا چاہیے کہ ایک دن تمہیں مر کر خاک میں واپس جانا ہے اور جب دوبارہ خاک سے اپنا سر اٹھاتے ہو تو تمہارے ذہن میں ہونا چاہیے کہ ایک مرتبہ پھر اس خاک سے اٹھائے جاؤ گے۔

اہل خانہ کے حوالے سے ذمے داری

ایک اور نکتے کا ذکر کر کے اپنے عرائض ختم کروں :

میرا دل بہت چاہتا ہے کہ نماز جو دین کا ستون ہے، ہم اسکی اہمیت کو جان لیں، سمجھ لیں سب جانتے ہیں کہ ہم اپنے اہل خانہ کی نماز کے ذمے دار ہیں یعنی اپنے بیوی بچوں کی نماز کے ذمے دار ہیں ہم میں سے ہر فرد خود اپنی نماز کا بھی ذمے دار اوراپنے اہل خانہ کی نمازوں کا بھی، یعنی اپنے بیوی بچوں کی نمازوں کا بھی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خطاب ہوا : وَأْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا[1] اے پیغمبر! اپنے اہل خانہ کو نماز کی تاکید کیجیے اور خود بھی نماز کے بارے میں صابر رہیے یہ (حکم) صرف پیغمبر سے مخصوص نہیں بلکہ ہم سب اس بارے میں ذمے دار ہیں۔

بچوں (کو نماز کا عادی بنانے کے لئے ان) کے ساتھ کیا کرنا چاہئے؟

اس سلسلے میں بچوں کو بچپنے ہی سے نماز کی مشق کرانی چاہیے شریعت کا حکم ہے کہ بچوں کو سات سال کی عمر سے نماز کی مشق کراؤ ظاہر ہے کہ سات سالہ بچہ صحیح طور سے نماز نہیں پڑھ سکتا البتہ وہ نماز کی حرکات و سکنات ادا کر سکتا ہے، اسی عمر سے نماز کا عادی ہو سکتا ہے (خواہ لڑکا ہو یا لڑکی) یعنی جوں ہی بچہ پرائمری کلاسوں میں آئے تو اسے اسکول میں نماز سکھائی جاتی چاہیے۔ گھر میں بھی اسے نماز سکھانا چاہیے البتہ ایک بات پر توجہ رہے، اور وہ یہ کہ بچوں کو بالجبر اور زبردستی نماز سکھانا، اسے اس طرح نماز پر آمادہ کرنا، نتیجہ خیز نہیں ہوتا۔

۱:-اور اپنے اہل کو نماز کا حکم دیں اور اس پر صبر کریں(سورہ طہ ۲۰آیت ۱۳۲)

کوشش کیجیے کہ آپ کے بچے ابتداء ہی سے شوق اور رغبت کے ساتھ نماز پڑھیں آپ ان کے اندر نماز سے لگاؤ پیدا کریں، جس طرح بھی ممکن ہو بچوں کے لیے شوق کے اسباب فراہم کریں تاکہ وہ ذوق و شوق سے نماز پڑھیں اس سلسلے میں ان کی زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کیجیے، انہیں انعام دیجیے، ان سے محبت کا اظہار کیجیے، یہاں تک کہ وہ سمجھنے لگیں کہ جب وہ نماز پڑھتے ہیں تو آپ کے دل میں ان کے لیے محبت بڑھ جاتی ۔

مزید یہ کہ بچے کو ایسے ماحول میں لے جایے جس میں اس کے اندر نماز پڑھنے کا شوق پیدا ہو تجربے سے ثابت ہوا کہ اگر بچہ مسجد نہ جائے، اگر اجتماع میں نہ جائے اور لوگوں کو اجتماعی طور پر نماز پڑھتے نہ دیکھے، تو اس میں نماز کا شوق پیدا نہیں ہوتا کیونکہ در حقیقت اجتماع میں حاضری انسان میں شوق پیدا کرتی ۔ بڑی عمر کا انسان بھی جب اپنے آپ کو عبادت گزار لوگوں کے مجمع میں پاتا تو اس میں بھی عبادت کی روح بڑھ تی ، بچہ تو بڑے کی نسبت زیادہ متاثر ہوتا ۔

افسوس کہ مساجد، عبادت گاہوں اور دینی محافل میں ہمارے کم جانے اور بچوں کے بہت کم دینی اجتماعات میں شرکت کرنے کے باعث، ان میں ابتداء ہی سے عبادت کی جانب رغبت پیدا نہیں ہوتی یہ رغبت پیدا کرنا آپ کی ذمے داریوں میں سے ۔

اسلام جو یہ کہتا کہ اپنے بچوں کو نماز کی تلقین کرو، تو اس سے مراد یہ نہیں کہ آپ آقاؤں کے سے انداز میں انہیں حکم دیں، ڈرائیں، دھمکائیں، ان کے سر پر سوار ہو جائیں نہیں، بلکہ ہر اس ذریعے سے استفادہ کیجیے جس کے بارے میں آپ سمجھتے ہوں کہ آپ کے بچوں کو نماز کی جانب راغب کرنے اور انہیں اس کا شوق دلانے کے سلسلے میں مفید واقع ہو ۔

میں اپنے بچوں کے ساتھ مسجد جانے کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ وہ مساجد اور عبادت گاہوں سے آشنا ہوں خود ہم لوگ جو اپنے بچپنے ہی سے مساجد اور معابد سے آشنا تھے، اب آج کے ان حالات میں کس قدر مسجد جاتے ہیں؟ ہمارے بچے سات برس کی عمر سے اسکول جاتے ہیں، اسکول کے بعد کالج اور پھر یونیورسٹی لیکن کبھی انہوں نے مسجد میں قدم نہیں رکھا ہوتا، ایسی صورت میں کیا وہ مسجد جائیں گے؟

جی ہاں ! یہ بچے لازماً مسجد سے دور رہیں گے اس صورتحال میں یا آپ یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ مساجد کے حالات اچھے نہیں، یا مثلاً (مذہبی اجتماعات میں) خطیب نامناسب باتیں کرتے ہیں (اس لیے ہم اپنے بچوں کو ان جگہوں سے دور رکھتے ہیں) ان چیزوں (مسجدوں اور منبروں) کو درست کرنا بھی ہمارا فریضہ ہے فریضہ کسی مقام پر ختم نہیں ہوتا اپنی مساجد کی اصلاح بھی ہماری ذمے داری ہے۔

پس اس بات کو بھی کبھی فراموش نہ کیجیے کہ ہم پر خود اپنی نمازکی ادائیگی بھی فرض ہے اور اپنے اہلِ خانہ کو نماز کا ادی بنانا بھی ہمارا فریضہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ہم ان میں نماز کی جانب رغبت اورلگاؤ پیدا کریں، جس قدر ممکن ہو نماز پڑھنے کے فوائد اور خصوصیات اور نماز کے فلسفے سے اپنے بچوں کو آگاہ کریں۔

قرآنِ کریم کہتا ہے کہ جب بعض اہلِ جہنم کو عذاب دیا جا رہا ہو گا تو ان سے پوچھا جائے گا : مَاسَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ (کس چیز نے تمہیں اس جہنم میں پہنچایا) قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ (ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے تھے) وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآ ئِضِيْنَ (غلط باتوں کی جگہ پر جاتے تھے سورہ مدثر ۷۴ آیت ۴۲، ۴۳، ۴۵) جہاں کہیں بھی دین مخالف باتیں کی جاتی تھیں، وہاں جا کر انہیں سنتے تھے، یا خود ایسی باتیں کرتے تھے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے۔

یہاں سے سمجھ لیجیے کہ اسلام میں نماز کو اس قدر اہمیت کیوں حاصل ہے؟ کیوں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نماز اس خیمے کا ستون ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر نماز قائم ہو اور اسکا صحیح صحیح اجرا ہو تو ہر چیز ٹھیک ہو جائے۔

حضرت علی علیہ السلام نے اپنی آخری وصیتوں میں، جنہیں آپ نے بارہا سنا ہو گا اور جو اللہ اللہ سے شروع ہوتی ہیں (یہ وصیتیں کرنے کے چند ہی لمحے بعد آپ نے جان، جان آفرین کے سپرد کر دی تھی) ان وصیتوں میں آپ نے نماز کے بارے میں فرمایا: اللهَ اللهَ بِالصَّلاةَ فَاِنَّهَا عَمُودُ دينِكُمْ (نماز کے بارے میں اللہ سے ڈرنا کیونکہ وہ تمہارے دین کا ستون ہے نہج البلاغہ مکتوب ۴۷)

روزِ عاشور کے بارے میں آپ نے سنا ہو اورجانتے ہوں گے کہ زیادہ تر شہادتیں ظہر کی نماز کے بعد واقع ہوئیں یعنی ظہر کے وقت تک حضرت امام حسین علیہ السلام کے اکثر اصحاب، تمام بنی ہاشم اور خود امام حسین (جو سب سے آخر میں شہید ہوئے) زندہ تھےظہر سے پہلے امام حسین کے تیس اصحاب دشمن کی طرف سے ہونے والی ایک تیر اندازی میں شہید ہوئے تھے، وگرنہ امام کے لشکر کے باقی دوسرے افرادظہر کے وقت تک بقیدِ حیات تھے۔

اصحابِ امام حسین میں سے ایک شخص کو خیال آیا کہ ظہر کی نماز کی ادائیگی کا اول وقت آ پہنچا ہے۔ وہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: یا اباعبداللہ! نماز کاوقت ہوا چاہتا ہے، ہمارا دل چاہتا ہے کہ آپ کی اقتدا میں آخری نمازِ جماعت ادا کریں، امام نے نظر اٹھا کر(آسمان کی طرف) دیکھا اور نماز کا وقت ہو چکنے کی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ فرمایا: ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ یا: ذَکَّرْتَ الصَّلٰوۃَاگر ''ذَکَرْتَ'' کہا ہو تو معنی ہوں گے کہ تمہیں نماز یاد آئی، اور اگر ''ذَکَّرْتَ'' کہاہو تو معنی کیے جائیں گے کہ تم نے مجھے نماز یاد دلائی ذَکَرْتَ الصَّلٰوۃَ جَعَلَکَ اللّٰہُ مِنْ الْمُصَلِّینَ (تم نے نماز یاد دلائی، خدا تمہیں نماز گزاروں میں سے قرار دے)

تصور کیجیے کہ ایک ایسا شخص جو سر بکف ، اپنی جان ہتھیلی پر رکھے ، ایسے مجاہد کے بارے میں امام دعا فرمارہے ہیں کہ خدا تمہیں نماز گزاروں میں سے قرار دےدیکھا آپ نے حقیقی نماز گزار کتنا عظیم مقام رکھتا ہے۔

فرمایا: ہاں، ہم نماز پڑھیں گے، اسی جگہ میدان جنگ میں نماز پڑھیں گے۔

اس موقع پر ایسی نماز پڑھی گئی جسے فقہ میں ''نمازِ خوف'' کہاجاتا ہے نمازِ خوف، مسافر کی نماز کی مانند چار رکعت کی بجائے دو رکعت ہوتی ہے یعنی انسان اگر اپنے وطن میں بھی ہو تو اسے دورکعت ہی پڑھنا چاہیے کیونکہ حالات ساز گار نہیں لہذا یہاں مختصر نماز پڑھنی چاہیے، اس لیے کہ تمام افراد کے نماز میں مشغول ہوجانے کی وجہ سے دفاع کی صورتحال خراب ہو جائے گی سپاہیوں کا فرض ہے کہ اس نماز کے دوران آدھے سپاہی دشمن کا مقابلہ کریں

اور آدھے امام جماعت کی اقتداء میں نماز پڑھیں۔امام جماعت ایک رکعت پڑھنے کے بعد اٹھیں تاکہ مقتدی اپنی دوسری رکعت پڑھ لیں۔اسکے بعد وہ جا کے اپنے دوسرے ساتھیوں کی جگہ لے لیتے ہیں جبکہ امام اسی طرح بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر ان کا انتظار کرتا ہے پھر دوسرے سپاہی آتے ہیں اور امام کی دوسری رکعت کے ساتھ نمازادا کرتے ہیں۔

امام حسین علیہ السلام نے اسی طرح نماز خوف ادا کی لیکن امام کو ایک خاص صورتحال در پیش تھی کیونکہ آپ دشمن سے زیادہ فاصلے پر نہ تھے لہذا آپ کی حفاظت کرنے والا گروہ آپ کے بالکل سامنے کھڑا ہوا تھا، جبکہ بے حیا اور بے شرم دشمن نے انہیں نماز تک سکون سے نہ پڑھنے دی آپ نماز میں مشغول تھے کہ دشمن نے تیر اندازی شروع کر دی، آپ پردو قسم کی تیر اندازی کی گئی، ان میں سے ایک زبان کی تیر اندازی تھی دشمن کے ایک سپاہی نے چیخ کر کہا: حسین! نماز نہ پڑھو، تمہاری نماز کا کوئی فائدہ نہیں، تم اپنے زمانے کے امام (یزید) کے باغی ہو، لہذا تمہاری نماز قبول نہ ہو گی(نعوذ باللہ)جبکہ دوسری تیر اندازی معمول کے مطابق کمانوں سے پھینکے جانے والے تیروں کی تھی امام حسین کے وہ ساتھی جنہوں نے اپنے آپ کو امام کی ڈھال بنایا ہوا تھا ان میں سے ایک دو اصحاب (تیر لگنے کی وجہ سے) خاک پر گر پڑے ان میں سے ایک سعید بن عبداللہ حنفی اس وقت گرے جب امام حسین اپنی نماز تمام کر چکے تھے وہ جانکنی کے عالم میں تھے کہ امام ان کے سرہانے پہنچے انہوں نے امام کو اپنے سرہانے دیکھ کر ایک عجیب جملہ کہا، عرض کیا: اوفیت یا ابا عبدا اللہ ! اوفیت (اے ابا عبداللہ! کیا میں نے وفا کی؟)یعنی، اب اس حال میں بھی ان کے ذہن میں یہ بات تھی کہ امام حسین کا حق اس قدر بلند و بالا ہے کہ اس کی ادائیگی کے لیے ایسی گرانقدر فدا کاری بھی شاید کافی نہ ہو۔

صحرائے کربلا میں ابو عبداللہ الحسین علیہ السلام نے اس انداز سے نماز ادا کی۔

ابا عبداللہ نے اس نمازمیں تکبیر کہی، ذکر کیا، سبحان اللہ کہا، بحول اللہ وقوتہ اقوم واقعد کہا، رکوع و سجود کیے اس نماز کے دو تین گھنٹے بعد امام حسین کے لیے ایک دوسری نماز پیش آئی، دوسرا رکوع پیش آیا، دوسرے سجود پیش آئے ایک دوسرے انداز سے آپ نے ذکر کیا آپ کا رکوع اس وقت ہوا جب ایک تیر آپ کے مقدس سینے میں اترا اور آپ اسے اپنی پشت کی طرف سے نکالنے پر مجبور ہوئے۔

یا آپ کوپتا کہ باعبداللہ کے سجود کی یا صورت تھی؟ آپ نے پیشانی پر سجدے نہیں کے، یونکہ آپ بے بس ہو کر گھوڑے سے زمین پر گرے تھے، لہذاآپ نے اپنا داہنا رخسار کربلا کی گرم ریت پر رکھا۔

اس موقع پہ باعبداللہ کا ذکر تھا:

بِسْـمِ اللهِ وَبِـاللهِ وَ عَلیٰ مِلَّةِ رَسُـولِ اللهِ، وَلاحَـوْلَ وَلاَ قُـوَّةَ اِلاَّ بِـاللهِ الْعِلِی الْعَظِیـمِ وَصَـلَّی اللهَ عَلیٰ مُحَمَّـدٍ وَ آلِـهِ الطّاهِرِینَ

بِسِمِکَ الْعَظِیمِ الْاعْظَمِ

٠سایا ! ماری اقبت خیر فرما، ہم سب کو اپنی عبادت، عبودیت اور بندگی کی توفیق کرامت فرما۔

٠سایا ! میں قیقی نماز گزاروں میں سے قرار دے، ہم سب کی نیتوں کو خاص کر دے میں شیا ینِ بن و انس کے شر سے محفوظ فرما۔

٠سایا ! ہم سب کے مرحومین کی مغفرت فرما۔

رَحِمَ اللهُ مَنْ قَرَأَ الفاتِحَة مَعَ الصَّلَوات‘

فہرست

عرضِ ناشر 2

احیا 3

روحِ عبادت یادِ خدا 5

امام جعفر صادق ؑ کی ایک حدیث 9

ربوبیت کا اوّلین درجہ: اپنے نفس پر تسلط 11

دوسرا درجہ: نفس کے خیالات کا مالک ہونا 12

اِ نماز میں امام سجاد ؑ کا حضورِ قلب 14

تقویٰ 15

تقویٰ سے کیا مراد ہے؟ 15

تقویٰ کے ملکہ سے کیا مراد ہے؟ 16

۔ بلاتر در بلت 18

حقیقی طور پر نزدیک۔ ا 24

حقیقی طور پر نزدیک۔ ا 25

مجازی طور پر نزدیک۔ ا 25

ایک بندے کے خدا سے نزدیک و نے کے کیا معنی ہۃ ؟ 27

قربِ الٰہی کے معنی 29

عبادت کااوّلین اثر اپنے آپ پر تسلط 31

ا ِس کا کیا فائدہ ہے؟ 32

ابن سینا کا کلام 32

اپنے قوہ خیال پر تسلط 34

دل کے لئے پیغمبر اکرم کی تعبیر 35

روح کا بدن سے بے نیاز اد ا 37

بدن پر تصرف کی قدرت 40

بیرونی دنیا پر تصرف کی قدرت 41

علیؑ بسترِ شہادت پر 44

نماز کی اہمیت 47

زاہد اور صوفی نما لوگ 48

دین کے بارے میں ایک غلط تصور 51

تقلید کسے کہتے ہیں؟ 53

علیؑ ایک جامع الصفات ہستی 54

دیکھئے حقیقت کیسے جلوہ گر ہوتی ہے؟ 56

اسے کہتے ہیں حقیقی، مثالی مسلمان۔ 57

مردِ مسلمان کی بعض نمایاں صفات 58

معنویات کو خفیف نہ سمجھئے 62

کون لوگ ہیں جو نماز کو سبک اور معمولی سمجھتے ہیں ؟ 63

عبادت اور تربیت........ 70

ایمان کی تاثیر 71

عصمت اور ایمان........ 76

اسلام، دنیا اور آخرت کا جامع........ 79

خدا کی کبریائی........ 86

اہل خانہ کے حوالے سے ذمے داری 91

بچوں (کو نماز کا عادی بنانے کے لئے ان) کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ 91